اوراقِ مورخ

(حیدر آباد دورِ عثمانی میں)

آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے کاغذات سے
حاصل کردہ مواد کی بنیاد پر قلم بند کیے گئے تحقیقی مضامین

ڈاکٹر سید داؤد اشرف

شگوفہ پبلیکیشنز
۱۳۱۔ مجرد گاہ ، معظم جاہی مارکٹ ، حیدر آباد ۔۱

AURAQ-I-MUWARRIKH

(Hyderabad Daur-i-Osmani Mein)

Collection of Research Articles

By:- Dr. Syed Dawood Ashraf

سن اشاعت : دسمبر ۱۹۹۸ء

تعداد : ۵۰۰

کمپیوٹر کمپوزنگ : SAN کمپیوٹر سنٹر ، چنچل گوڑہ ، حیدر آباد

ٹائٹل : سعادت علی خان

طباعت : سلور لائن پرنٹرس ، حیدر آباد

قیمت : ۱۰۰ روپے

ناشر : شگوفہ پبلیکیشنز

ملنے کے پتے : ☆ سیل کاونٹر ، روزنامہ سیاست ، حیدر آباد

☆ دفتر شگوفہ

۳۱۔ مجرد گاہ ، معظم جاہی مارکٹ ،

حیدر آباد ۔ ۱

☆☆☆

اس کتاب کی اشاعت کے لئے

آندھراپردیش اردو اکیڈمی کی جزوی مالی اعانت حاصل رہی ۔

فہرست مضامین

پیش ورق

میں زائد از ایک دہائی سے ریاست حیدر آباد کی تاریخ کے مختلف گوشوں پر آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی مستند اور معتبر دستاویزات سے اخذ کردہ مواد کی بنیاد پر تحقیقی مضامین قلم بند کررہا ہوں ۔ میں نے ابتداء میں بیرونی مشاہیر ادب کی ریاست حیدر آباد کی جانب سے کی گئی سرپرستی کے موضوع پر مضامین تحریر کیے ۔ اس موضوع پر میرا اولین مضمون اردو کے بلند مرتبت اور نمائندہ شاعر جوش ملیح آبادی پر تھا جو روزنامہ سیاست کے یکشنبہ ایڈیشن مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۸۷ء میں " جوش ملیح آبادی کی حیدر آباد میں ملازمت " کے زیر عنوان شائع ہوا ۔ یہ مضمون روزنامہ سیاست کی جانب سے شائع کردہ سابق حیدر آباد پر میری پہلی کتاب " بیرونی مشاہیر ادب اور حیدر آباد " میں شامل ہے ۔ اس طرح میں نے اس مضمون سے اپنے اس نئے تحقیقی سفر کا گیارہ برس قبل آغاز کیا اور بفضل تعالیٰ یہ سفر آج بھی جاری ہے ۔

اس سفر کے دوران جو مضامین لکھے گئے ان پر مشتمل چار کتابیں شائع ہوچکی ہیں اور یہ پانچویں کتاب ہے ۔ جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں شامل تمام مضامین کا تعلق ریاست حیدر آباد کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کے عہد کے مختلف پہلوؤں سے ہے ۔ ان میں چند مضامین بیرونی نامور شخصیتوں کی ریاست حیدر آباد سے وابستگی اور ان کی قدر دانی کے بارے میں ہیں جیسے مولوی عبدالحق ، جوش ملیح آبادی ، سر راس مسعود اور مولوی شوکت علی ۔ چند مضامین حیدر آباد کی اہم اور ممتاز شخصیتوں کے اعتراف خدمات اور قدر افزائی کی بابت ہیں جیسے نواب عماد الملک ، سر فریدوں الملک بہادر اور فضیلت جنگ بہادر ۔ دو مضامین " عاملہ سے عدلیہ کی علاحدگی اور " بیگار کی لعنت " ریاست کے نظم و نسق میں اہم اصلاح اور ایک دیرینہ سماجی برائی کے خاتمے کے لئے اٹھائے گئے اقدامات کی نسبت ہیں ۔ دیگر مضامین علم و ادب کی سرپرستی اور تعلیم کی اشاعت و فروغ کے لئے دیئے گئے گراں قدر عطیوں سے متعلق ہیں ۔

ریاست حیدرآباد پر میں نے اب تک جو مضامین قلم بند کئے ہیں ان کے بارے میں یہاں صرف ایک بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ ان مضامین میں بالراست حکمراں ریاست کے فرمان یا آخری اور قطعی احکام کے حوالے دینے کی بجائے کارروائیوں کی ضروری تفصیلات از ابتدا تا انتہا شامل کی گئی ہیں اور ایسا دانستہ طور پر کیا گیا ہے ۔ بہت ممکن ہے کہ قارئین کو یہ تفصیلات طویل ، خشک اور غیر دلچسپ معلوم ہوتی ہوں مگر ان تفصیلات کو پیش کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے اُس دور کے نظم و نسق کے طور طریقوں سے متعلق معلومات محفوظ ہوجائیں اور ساتھ ہی ساتھ مختلف النوع کارروائیوں میں ریاست کے عہدیداران مجاز اور والی ریاست کے خیالات ، رجحانات اور رویوں کا اندازہ ہوسکے ۔

اس کتاب کے تمام مضامین روزنامہ سیاست نے از راہ عنایت بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کئے ہیں ۔ ادارہ سیاست کی قدر افزائی کو میں فراموش نہیں کرسکتا کیوں کہ اس کتاب کی اشاعت سے قبل بھی یہ مضامین بے شمار نظروں سے گزر چکے ہیں ۔

اس کتاب کی اشاعت میں میرے برادر خورد جناب سید حسین اشرف اور میرے عزیز دوست ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال کا خلوص اور بھرپور تعاون میرے شامل حال رہا ۔ میں ان حضرات کا بے حد ممنون ہوں ۔

نامور آرٹسٹ جناب سعادت علی خان نے اپنی علالت کے باوجود میری درخواست پر کتاب کا ٹائٹل تیار کیا ۔ جناب سید علی نظامی نے بڑی احتیاط اور توجہ سے کمپوزنگ کی اور جناب الطاف حسین ، مالک سلور لائن آفسیٹ پرنٹرس نے خصوصی توجہ دے کر بروقت پرنٹنگ مکمل کروائی ۔ میں ان کرم فرماؤں کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں ۔

کتاب کی اشاعت کے لیے آندھراپردیش اردو اکیڈیمی نے جزوی مالی اعانت کی منظوری دی جس کے لئے میں اکیڈمی کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔

سید داؤد اشرف

مولوی عبدالحق اور ریاست حیدرآباد

مولوی عبدالحق کی شہرت بابائے اردو کی حیثیت سے چہار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے لیکن مولوی عبدالحق کو بابائے اردو بنانے میں حیدرآباد کا کتنا حصہ ہے اس کا یا تو بہت کم ذکر کیا جاتا ہے یا اس بارے میں اعتراف کو دانستہ طور پر نظرانداز کیا جاتا ہے حالاں کہ یہ حقیقت ہے کہ اردو کی اس عظیم شخصیت کو اس بلندی تک پہنچنے کے لئے زینہ کا کردار حیدرآباد نے ادا کیا۔اس اعتبار سے حیدرآباد سے مولوی عبدالحق کا رشتہ جسم وجاں کا رشتہ تھا

یہ مضمون مولوی عبدالحق کی ریاست حیدرآباد سے طویل وابستگی اور ان کی مشن کی کامیابی کے لئے حیدرآباد کی جانب سے دیئے گئے مکمل اور مسلسل تعاون کے بارے میں قلمبند کیا گیا ہے۔

مولوی عبدالحق علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔اے کرنے کے بعد ملازمت کی تلاش میں بمبئی سے ہوتے ہوئے حیدرآباد پہنچے۔وہ یہاں ۱۳۰۵ف / ۹۶-۱۸۹۵ء میں سرکاری ملازمت سے وابستہ ہوئے اور زائد از تیس برس مختلف خدمتوں پر کارگزار رہنے کے بعد ۱۹۲۹ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔اس کے بعد وہ جامعہ عثمانیہ میں اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے اور بالآخر ۱۹۳۸ء میں دہلی چلے گئے۔

حیدرآباد میں ان کا پہلا تقرر ۱۳۰۵ف / ۹۶-۱۸۹۵ء میں گولکنڈہ بریگیڈ کے مترجم کی حیثیت سے ہوا۔اس کے بعد وہ اوائل ۱۳۱۶ف م ۰۷-۱۹۰۶ء میں معتمدی عدالت میں مترجم کی خدمت پر مامور ہوئے۔تقریباً پانچ سال بعد وہ ۱۳۲۱ف / ۱۲-۱۹۱۱ء میں پرسنل مددگار نظامت تعلیمات مقرر ہوئے۔بعد ازاں وہ ۱۳۲۲ف / ۱۳-۱۹۱۲ء میں صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد بنائے گئے۔مولوی عبدالحق جب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد کی خدمت پر فائز تھے انہیں حکمران ریاست نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع کے فرمان مورخہ ۱۴ / اگسٹ ۱۹۱۷ء کی تعمیل پر دوسو روپیہ ماہانہ الاونس کے ساتھ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی نگرانی تفویض کی گئی۔مولوی عبدالحق تقریباً دوسال ناظم دارالترجمہ کے عہدے پر فائز رہے۔انہیں آصف

سابع کے فرمان مورخہ ۲۴/جولائی ۱۹۱۹ء کی تعمیل میں صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد کی اصل خدمت پر واپس کر دیا گیا۔(مولوی عبدالحق کی حیدرآباد میں ملازمت کے بارے میں یہ معلومات آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ سے حاصل کی گئی ہیں) حیدرآباد میں قیام کے ابتدائی برسوں میں وہ مدرسہ آصفیہ کے ہیڈ ماسٹر اور رسالہ افسر کے ایڈیٹر بھی رہے۔ مولوی عبدالحق ۱۹۲۳ء میں پرنسپال انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد مقرر ہوئے جہاں سے وہ ۱۹۲۹ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔مولوی عبدالحق سرکاری ملازمت سے سبکدوشی کے بعد جامعہ عثمانیہ کی ملازمت سے وابستہ ہوگئے۔پروفیسر وحید الدین سلیم کی وفات پر جامعہ عثمانیہ میں اردو کے پروفیسر کی خدمت خالی ہوئی اور عبدالحق کا اس خدمت پر ۱۵/ اگسٹ ۱۹۲۹ء کو تقرر عمل میں آیا۔انجمن ترقی اردو کے مشاورتی اجلاس منعقدہ ۱۹۳۶ء میں انجمن کے دفتر کو اورنگ آباد سے دہلی منتقل کرنے کی تجویز منظور ہوئی تھی چنانچہ مولوی عبدالحق جامعہ کی ملازمت سے سبکدوش ہوکر نومبر ۱۹۳۸ء میں انجمن ترقی اردو کے دفتر کے ساتھ دہلی منتقل ہوگئے۔اس طرح وہ چالیس برس سے زیادہ عرصے تک حیدرآباد میں رہے۔

مولوی عبدالحق ۱۹۱۲ء میں انجمن ترقی اردو کے معتمد مقرر ہوئے اور ملک کی تقسیم تک وہ اس عہدے پر فائز رہے۔ابتداء میں انجمن کا صدر مقام علی گڑھ تھا لیکن مولوی عبدالحق نے ۱۹۱۳ میں انجمن کا دفتر علی گڑھ سے اورنگ آباد منتقل کر دیا جہاں وہ اپنی ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے وہ اپنی ملازمت کے سلسلے میں ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۹ء تک اورنگ آباد میں رہے۔انجمن ترقی اردو کا دفتر اورنگ آباد منتقل ہوجانے کی وجہ سے انہیں تصنیف و تالیف کے کام کو آگے بڑھانے اور انجمن کی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں بڑی سہولت ہوئی۔انہیں دارالترجمہ کے لئے خدمات انجام دینے کی غرض سے ۱۹۱۷ء تا ۱۹۱۹ء تک حیدرآباد میں رہنا پڑا۔بعد ازاں جامعہ عثمانیہ میں اردو کے پروفیسر مقرر ہونے کے بعد وہ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۸ء تک حیدرآباد میں رہے۔ ان ملازمتوں کے سلسلے میں حیدرآباد میں قیام کے باوجود اورنگ آباد سے ان کا مسلسل ربط قائم رہا۔جب بھی موقع ملتا وہ اورنگ آباد ہو آیا کرتے تھے۔

۱۹۱۳ء سے ۱۹۳۸ء تک انجمن ترقی اردو کا دفتر اورنگ آباد میں تھا۔ربع صدی کے اس مدت کے دوران حیدرآبادیوں کی مالی امداد اور ریاست حیدرآباد کی مسلسل اعانت اور سرپرستی کی وجہ سے ہی مولوی عبدالحق انجمن کو مضبوط، فعال اور کارکرد بنانے میں کامیاب

ہوسکے ۔ چنانچہ اورنگ آباد کے دور میں انجمن نے تقریباً سو کتابیں شائع کیں اور دو معیاری رسالے "اردو" اور "سائنس" جاری کئے ۔ ان مطبوعات کی تیاری اور طباعت کے لئے انجمن نے کئی لاکھ روپیے صرف کئے ۔ اسی دوران جگہ جگہ انجمن کی شاخیں قائم کی گئیں اور کتب خانے کھولے گئے ۔ اورنگ آباد کے دور کو مولوی عبدالحق کی زندگی کا سنہرا دور کہا جاسکتا ہے ۔ اسی دور میں انہوں نے اعلیٰ معیار کے علمی و ادبی کارنامے انجام دیئے اور اردو زبان و ادب کی ایسی خدمت انجام دی کہ وہ بابائے اردو کہلائے ۔ مولوی عبدالحق کو بابائے اردو کا خطاب اورنگ آباد ہی کی دین ہے ۔ محمد احمد سبزواری اپنے مضمون "چند تاثرات" مطبوعہ قومی زبان ۱۹۶۴ء میں لکھتے ہیں "مولوی صاحب کا خطاب بابائے اردو بھی انہیں اورنگ آباد کالج کے ہاسٹل سے ہی ملا تھا ۔ ایک مرتبہ طلبہ نے مولوی صاحب کو ہوسٹل میں کھانے پر مدعو کیا ۔ کھانے کے بعد مولوی صاحب نے ودیا مندر اسکیم ہندی ہندوستانی کے متعلق اظہار خیال کیا ۔ طلبہ جوش میں آگئے ۔ ایک نوجوان محمد یوسف نے نعرہ لگایا اردو زندہ باد، بابائے اردو زندہ باد ۔ بس پھر کیا تھا ساری محفل بابائے اردو زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگی ۔ جب اس واقعہ کی خبر اورنگ آباد کے ایک مقامی ہفتہ وار میں شائع ہوئی تو سرخی تھی "بابائے اردو کا کالج کے طلبہ سے خطاب" پھر یہ خطاب حیدر آباد پہنچا اور وہاں سے اردو کے ساتھ ساتھ سارے برصغیر میں پھیل گیا" ۔

انجمن کے دفتر کی اورنگ آباد کو منتقلی کے بعد ہی سے مولوی صاحب نے انجمن کی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لئے چندے اکھٹا کرنے کی کوششیں شروع کردیں اور بالکل ابتدا ہی سے انجمن کے لئے چندے وصول ہونے لگے ۔ انجمن کی ۱۹۱۴ء کی رپورٹ میں مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ ان کوششوں کے نتیجے میں ریاست حیدر آباد کے چند مقامات سے زائد از چار ہزار کلدار اور زائد از تین ہزار روپیے حالی وصول ہوئے ۔ اس دوران حیدر آباد میں مولوی عبدالحق کو چند ایسی اہم شخصیتوں کی ہمدردیاں حاصل ہوگئی تھیں جن کی توجہ، کوشش اور تحریک کے نتیجے میں انجمن ترقی اردو کی مالی حالت اطمینان بخش ہوگئی ۔ ان میں نواب عمادالملک، سر اکبر حیدری اور سر راس مسعود کے نام سرفہرست ہیں ۔ ان حضرات نے ہر موقع اور مرحلے پر انجمن کی تجاویز کی تائید کی اور اپنی طرف سے بھی انجمن کے لئے گراں قدر عطیئے دیئے ۔ یہی نہیں بلکہ ان مہربان شخصیتوں نے مالی امداد کے لئے حکمران وقت (آصف

سابع) کی توجہ بھی مبذول کروائی ۔ ان کے علاوہ حیدر آباد کے جن امراء نے انجمن کو عطیے مرحمت کئے ان میں مہاراجا سر کشن پرشاد، سالار جنگ سوم، لطف الدولہ بہادر اور راجا پرتاب گیرجی کے نام شامل ہیں لیکن سب سے زیادہ اہم بات حکمران ریاست نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع کی سرپرستی ہے جو مالی امداد کی منظوریوں کے سلسلے میں انہیں حاصل رہی ۔ اگر آصف سابع فیاضی کے ساتھ انجمن کے لئے مالی امداد کی منظوریاں صادر نہ کرتے تو انجمن کا اس قدر ترقی کرنا اور عروج حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔

مولوی عبدالحق نے اپنی عمر عزیز کے بہترین ایام اورنگ آباد میں بسر کئے ۔ اورنگ آباد میں مولوی عبدالحق کا مکان اور دفتر مقبرہ رابعہ دورانی کے پاس بے حد پرفضا مقام پر واقع تھا۔ اورنگ آباد کا پرفضا اور پرسکون ماحول ان کے لئے بڑا ممد و معاون ثابت ہوا اور انہوں نے وہاں بڑی تعداد میں علمی و ادبی کام انجام دیئے ۔ مولوی صاحب کو خود اس بات کا اعتراف تھا کہ انہوں نے اردو زبان اور ادب کے لئے جو کچھ کام کیا تھا اس کا زیادہ تر حصہ اورنگ آباد میں انجام پایا۔ وہ محمد علی، کراچی کے نام اپنے مکتوب مورخہ ۷ ڈسمبر ۱۹۵۸ء مشمولہ "خطوط عبدالحق" مرتبہ اکبر الدین صدیقی میں لکھتے ہیں ۔ "یہ بھی تم جانتے ہو کہ برا بھلا کام جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا اس کا زیادہ تر حصہ اورنگ آباد میں بیٹھ کر کیا۔ پھر میں اسے کیسا بھول سکتا ہوں ۔"

انجمن کا دفتر جب ۱۹۱۳ء میں علی گڑھ سے اورنگ آباد منتقل ہوا تھا اس وقت انجمن کی کیا حالت تھی، اورنگ آباد کے قیام کے دوران انجمن کو کتنی ترقی ہوئی اور کس درجہ عروج حاصل ہوا اس کا اندازہ سید ہاشمی فرید آبادی کی کتاب "پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو" کے ان جملوں سے کیا جاسکتا ہے "(انجمن) جس وقت علی گڑھ سے اورنگ آباد آئی تو کل کائنات ایک ٹوٹا ہوا صندوق تھا اور جب یہاں سے دہلی چلی تو مطبوعات کے ذخائر مال گاڑی کے کئی ڈبوں میں لادے گئے ۔ چھاپے خانے کا کثیر بھاری سامان اور کلوں کو حمل و نقل کی دشواریوں کی وجہ سے اورنگ آباد ہی میں فروخت کر دینا پڑا۔ مولوی صاحب کا بیش بہا ذاتی کتب خانہ اور اردو لغت کا دفتر جو حیدر آباد سے براہ راست دہلی گیا، بجائے خود ایک اٹالا الگ تھا۔"

مولوی عبدالحق کو حکومت میں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ حکومت کے کلیدی اور اہم عہدوں پر فائز شخصیتوں سے ان کے قریبی اور اچھے مراسم تھے ۔ اردو ریاست حیدر آباد کی

سرکاری زبان تھی اور اردو کے لئے مولوی عبدالحق کی خدمات سب پر روز روشن کی طرح عیاں تھیں۔یہی وجہ تھی کہ حکومت کی جانب سے انہیں کچھ ایسے کام اور ذمہ داریاں سونپی گئیں جن کی تکمیل پر انجمن کا مالی موقف بہت مضبوط ہو گیا۔اورینٹل نصاب کے رشدیہ مدارس ساری ریاست حیدرآباد میں پھیلے ہوئے تھے۔ان تمام مدارس کو ۱۹۱۵ء میں ورناکیولر (اردو میڈیم) میں تبدیل کر دیا گیا۔اردو ذریعہ تعلیم کے فروغ کے سلسلے میں اس اہم اور انقلابی قدم کی وجہ سے ریاست میں مدارس کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔اس وقت محکمہ تعلیمات نے مولوی عبدالحق سے اول سے میٹرک تک کی جماعتوں کے لئے اردو کی نصابی کتابیں تیار کروایں ۔مولوی عبدالحق کی دس جماعتوں کے لئے "درسیہ عثمانیہ" کے نام سے تیار کردہ اردو کی کتابیں ریاست حیدرآباد کے سارے تحتانیہ، وسطانیہ اور فوقانیہ مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں ۔ان کتابوں کے علاوہ مولوی عبدالحق کی قواعد اردو بھی میٹرک کے نصاب میں شریک تھی ۔مولوی صاحب کی یہ گیارہ کتابیں ایک طویل عرصے تک ریاست حیدرآباد کے تمام مدارس میں شریک نصاب رہیں جن کی فروخت سے انجمن کو دس لاکھ سے زیادہ آمدنی ہوا کرتی تھی۔اس آمدنی کی وجہ سے انجمن چندوں اور عطیوں سے بے نیاز ہو گئی۔

مولوی عبدالحق مالی امداد کے لئے حکومت ریاست حیدرآباد کو جو درخواستیں پیش کرتے تھے ان پر حکومت کے ارباب ذمہ دار بشمول باب حکومت (کابینہ) مالی امداد منظور کرنے کی سفارشیں کرتے تھے اور آصف سابع کسی استفسار اور رکاوٹ کے بغیر منظوریاں صادر کرتے تھے ۔ذیل کی تفصیلات سے اس بیان کی وضاحت اور تصدیق ہوتی ہے ۔یہ تفصیلات آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ سے اخذ کردہ مواد کی بنیاد پر پیش کی جارہی ہیں۔

مولوی عبدالحق اردو کا جامع لغت تیار کرنا چاہتے تھے جو مروج اور دستیاب اردو لغتوں میں پائے جانے والے نقائص اور اسقام سے پاک ہو۔چنانچہ انہوں نے اس لغت کی تیاری کے لئے ایک اسکیم تیار کی ۔اس اسکیم کے تحت لغت کی تیاری کے لئے ایک بڑے سرمایے کی ضرورت تھی۔اس لئے انہوں نے حکومت [illegible] کو ایک درخواست پیش کی جس

میں انہوں نے استدعا کی کہ اردو کے ایک جامع لغت کی ترتیب کے لئے حکومت کی جانب سے انہیں ایک ہزار روپے ماہانہ دس سال کی مدت تک عطا کیے جائیں۔اس درخواست پر محکمہ جات تعلیمات اور فینانس نے مولوی عبدالحق کو اس کام کے لئے بے حد موزوں قرار دیتے ہوئے مالی امداد جاری کرنے کی پرزور سفارش کی۔ باب حکومت نے اردو میں ایک جامع لغت کی ضرورت کو ظاہر کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ مولوی عبدالحق کو دس سال تک ایک ہزار روپے ماہانہ اس علمی کام کی تکمیل کے لئے مرحمت کئے جاسکتے ہیں۔ ان سفارشات کی روشنی میں آصف سابع نے فرمان مورخہ ۴ / اگست ۱۹۳۰ء کے ذریعہ مولوی عبدالحق کو دس سال کے لئے ایک ہزار روپے ماہانہ امداد منظور کی۔اس فرمان کی تعمیل میں یہ امداد لگاتار دس سال تک دی جاتی رہی۔منظورہ امداد کی آخری قسط ادا کردیئے جانے کے بعد اس اطلاع کی بنیاد پر کہ لغت کا کام مکمل ہوچکا ہے آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۴۱ء لغت کی طباعت کا کام شروع کروانے کے احکام جاری کئے۔آصف سابع نے اسی روز ایک علاحدہ فرمان کے ذریعے مونوٹائپ مشین اور متعلقہ سامان کی خریدی کے اخراجات کی منظوری بھی دی کیونکہ اس وقت گورنمنٹ پرنٹنگ پریس میں اردو کے لئے صرف ایک مونوٹائپ مشین تھی جو مولوی عبدالحق کی رائے میں ضخیم اردو لغت کی عاجلانہ طباعت کے لئے کافی نہیں تھی۔طباعت کے کام کے آغاز کے مرحلے پر مولوی عبدالحق نے پروف ریڈنگ کی خدمت کے لئے مولوی احتشام الدین کے نام کی سفارش کرتے ہوئے لکھا کہ احتشام الدین دس گیارہ سال سے ان کے ساتھ لغت کا کام کررہے ہیں اور پروف ریڈنگ کے کام کی نزاکتوں سے پوری طرح واقف ہیں۔مولوی صاحب نے مزید یہ بھی لکھا کہ مولوی احتشام الدین پروف ریڈنگ کے سلسلے میں دہلی سے حیدرآباد آئیں گے اور پروف لے کر مولوی عبدالحق کے پاس دہلی جائیں گے۔مولوی عبدالحق کی اس درخواست پر باب حکومت کی سفارش کی روشنی میں آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۲جون ۱۹۴۵ء کے ذریعہ پروف ریڈنگ کی خدمت پر ۲۵۰ کلدار ماہانہ یافت کے ساتھ مولوی احتشام الدین کے تقرر کے احکام جاری کئے۔ اس کے علاوہ دہلی سے حیدرآباد اور حیدرآباد سے دہلی جانے کے لئے سفر کے اخراجات کی بھی

منظوری دی گئی ۔ مولوی عبدالحق کی درخواستوں پر اردو لغت کی تیاری اور طباعت کے لئے حکومت ریاست حیدرآباد نے مطلوبہ ساری رقمیں جاری کی تھیں لیکن اتنے مصارف کے باوجود اردو لغت شائع نہ ہوسکا کیونکہ لغت کا مسودہ حکومت ریاست حیدرآباد کے حوالے نہیں کیا گیا تھا۔

ریاست حیدرآباد کی جانب سے انجمن ترقی اردو کو مالی امداد کا سلسلہ ۱۹۱۴ء سے شروع ہوا جس میں ایک سے زیادہ بار قابل لحاظ اضافہ کیا گیا۔ انجمن کو مالی امداد ریاست حیدرآباد کے خاتمے تک جاری رہی ۔ انجمن ترقی اردو کو پہلی بار آصف سابع کے فرمان مورخہ ۱۵ اکٹوبر ۱۹۱۴ء کی تعمیل میں بارہ سو روپے سالانہ امداد جاری ہوئی جو اندرون دو سال پانچ ہزار روپے سالانہ کردی گئی ۔ پانچ ہزار روپے سالانہ امداد کا سلسلہ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۳۷ء تک جاری تھا کہ مولوی عبدالحق نے ۱۹۳۷ء میں ایک درخواست پیش کی جس میں انہوں نے انجمن کی سرگرمیوں میں اضافے کے لئے مزید پینتالیس ہزار روپے سالانہ امداد منظور کرنے کی استدعا کی ۔ مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ اور باب حکومت کی سفارش پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۰/ فبروری ۱۹۳۸ء کے ذریعہ انجمن ترقی اردو کو چھ سال کے لئے پینتالیس ہزار روپے سالانہ کی امداد منظور کی ۔ اس امداد کے جاری ہونے کے پانچ سال بعد مولوی عبدالحق نے یہ درخواست پیش کی کہ انجمن کی موجودہ امداد پینتالیس ہزار روپے سالانہ سے گھٹا کر دواماً چالیس ہزار روپے کردی جائے ۔ مولوی صاحب کی یہ درخواست بھی منظور ہوئی ۔ انجمن کو چالیس ہزار روپے سالانہ کے علاوہ ۱۹۱۶ء سے پانچ ہزار روپے سالانہ کی امداد بھی پابندی سے دی جارہی تھی کہ سر مرزا اسمٰعیل کے دور وزارت عظمیٰ (۱۹۴۶ء تا ۱۹۴۷ء) میں انجمن کی امداد کو روک دینے کا فیصلہ کیا گیا ۔ مولوی عبدالحق نے جو اس وقت دہلی میں مقیم تھے مراسلوں کے ذریعہ امداد کی مسدودی کے احکام واپس لینے کے لئے کامیاب نمائندگی کی ۔ سر مرزا اسمٰعیل کی سبکدوشی پر نواب صاحب چھتاری جون ۱۹۴۷ء میں دوبارہ ریاست کے صدر اعظم مقرر ہوئے ۔ حیدرآباد میں وزارت کی تبدیلی کے ساتھ ہی انجمن ترقی اردو اور مولوی عبدالحق کے ساتھ مخالفانہ رویے میں تبدیلی آگئی اور باب حکومت کی سفارش پر آصف سابع نے اپنے فرامین کے ذریعہ انجمن کو

مسدودہ امداد اور نئے سال کی امداد ایصال کرنے کے احکام صادر کیئے۔ اس طرح ریاست حیدر آباد کی جانب سے انجمن کو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۸ء تک امداد دی گئی۔

اردو زبان و ادب کی ترقی مولوی عبدالحق کی زندگی کا مشن تھی۔ کسی بھی شخص کے لئے زندگی کے مشن کو آگے بڑھانے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے لئے حالات سازگار ہوں اور وہ اپنی زندگی اور ساری توانائیاں اس مشن کے لئے وقف کرسکے۔ مولوی عبدالحق مجرد اور تنہا تھے۔ انہیں فراغت حاصل تھی، انہیں حیدر آباد میں بڑی سہولتیں میسر تھیں اور وہ حیدر آباد میں مالی طور پر بہت خوش حال تھے۔ اسی لئے وہ اپنے مشن کو بڑی کامیابی سے آگے بڑھا سکے۔ ماہر القادری جو مولوی صاحب کے قیام حیدر آباد کے آخری آٹھ، نو برس کے دوران حیدر آباد میں تھے مولوی عبدالحق کے انتقال (۱۶/ اگسٹ ۱۹۶۱ء) پر ایک تعزیتی مضمون (مشمولہ یاد رفتگان، جلد دوم) میں لکھتے ہیں۔ "اورنگ آباد میں رابعہ دورانی کے مقبرے کے قریب وہ جس مکان میں رہتے شاندار تھا۔ وسیع و کشادہ اور آرام دہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے آس پاس منظر بڑا حسین تھا۔ اب سے تیس سال پہلے ان کی تنخواہ چودہ سو روپے کے لگ بھگ تھی اور پھر نصاب میں ان کی کتابیں شامل تھیں اس کی خاصی رائلٹی انہیں مل جاتی۔ امتحانات کی کاپیاں جانچنے کی آمدنی اس پر مستزاد۔ ان کی مجموعی آمدنی دو ہزار سے کیا کم ہوگی۔ تنہا جان، بیوی بچوں اور عزیزوں کا کوئی بکھیڑا نہیں۔ وہ بڑی آسائش، بے فکری اور اطمینان و فراغت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ موٹر، بنگلہ، نوکر چاکر، اچھا کھانا، اچھا پہننا! کہاں حیدر آباد دکن اور کہاں کوئٹہ۔ انہوں نے گرمی گزارنے اور پھل کھانے کے لئے کوئٹہ تک کا سفر کیا ہے"۔

متذکرہ بالا حقائق کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مولوی عبدالحق اور ان کی تاریخ ساز کامیابیوں کا کوئی بھی بیان حیدر آباد کے بھرپور تعاون کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہے گا بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اگر حیدر آباد کو مولوی صاحب کی زندگی اور کیریئر سے الگ کردیا جائے تو ان کے کارناموں اور عظمت کی بلند عمارت کی تعمیر ممکن ہی نہ ہوگی۔

ماخذ

1) Instalment No. 80, List No. 4, Serial No. 662

مقدمہ :۔ تقررات دار الترجمہ

2) Instalment No. 83, List No. 5, Serial No. 196

مقدمہ :۔ درخواست عبدالحق پرنسپل انٹرمیڈیٹ کالج نسبت عطائے مصارف برائے زیر ترتیب لغت اردو

3) Instalment No. 79, List No. 2, Serial No. 429

مقدمہ :۔ تحریک متعلق بہ امداد انجمن ترقی اردو

4) Instalment No. 80, List No. 3 Serial No. 110

مقدمہ :۔ منظوری اضافہ در امداد انجمن ترقی اردو

5) Instalment No. 85, List No. 3, Serial No. 173

مقدمہ :۔ عطائے امداد بہ انجمن ترقی اردو (۴۵ ہزار) سالانہ تا مدت چھ سال

مضمون کی تیاری میں حسب ذیل کتابوں سے بھی مدد لی گئی

۱) عہد عثمانی میں اردو کی ترقی از ڈاکٹر محی الدین قادری زور، حیدرآباد، ۱۹۳۴ء

۲) پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو از سید ہاشمی فرید آبادی، کراچی، ۱۹۵۳ء

۳) حیدرآباد میں اردو کی ترقی (تعلیمی اور سرکاری زبان کی حیثیت سے) از ڈاکٹر سید مصطفے کمال حیدرآباد، ۱۹۹۰ء

عدالت

پیشکاری

حکم

ملاحظہ: - گزارش صیغہ تعلیمات - (عثمانیہ یونیورسٹی) مورخہ ۱۸ شوال المکرم ۱۳۴۳ھ جس میں عرض کیا گیا ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب کو ہنگامی طور پر اور ان کی اصلی خدمت صدر مہتمم تعلیمات سے کس سابقہ تا حکم در انتزاع [illegible] ہی کرنیکی اجازت دی جائے -

حکم: - عبدالحق صاحب کو اون کی اصلی خدمت صدر مہتمم تعلیمات پر عود کرنیکی اجازت دیجائے اور تا حکم در انتزاع کی جگہ کسی کا تقرر ہونا چاہیے وہ چار روز میں تشخیص کر کے نام جلد پیش کر کے مرضی مبارک کی منظوری حاصل کیجائے - ف

(ترجمہ دستخط مبارک اعلیٰحضرت بندگان عالی متعالی مد ظلہ العالی)

۲۵ - شوال المکرم ۱۳۴۳ھ بتحقیقہ

(ترجمہ دستخط) امین جنگ بہادر

(نقل مطابق اصل)

۲۹ / ۱۴ / ۳۹ ق [illegible]

فرمان

ملاحظہ عرضداشت صیغہ تعلیمات معروضہ ۲۳ صفر المظفر ۱۳۳۹ھ جو اورنگ آباد کے انٹرمیڈیٹ کالج کے سابق پرنسپل مولوی عبدالحق کو اردو لغت لکھنے کیلئے دس سال تک (عالــــ) ماہانہ امداد دینے کی نسبت ہے۔

حکم:- کونسل کی رائے مناسب ہے حسب شرائط معروضہ عرضداشت عبدالحق کو دس سال تک ایک ہزار روپیہ (عالــــ) ماہانہ امداد دی جائے۔ (زیر دستخط مبارک)

۸- ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ زیر دستخط (امین جنگ)

نقل مطابق اصل

HIS EXALTED HIGHNESS THE NIZAM'S GOVERNMENT HYDERABAD DECCAN

فرمان

معروضہ: — عرضداشت صیغہ تعلیمات مورخہ ۲۰ شوال المکرم سنہ ۱۳۵۶ھ جو انجمن ترقی اردو کی امداد وغیرہ کی نسبت ہے۔

حکم: — کونسل کی رائے کے مطابق انجمن ترقی اردو کو (بشرائط مجوزہ مجلس اعلیٰ حاضرہ وغیرہ) گنجائش بجٹ سے پینتالیس ہزار روپیہ سالانہ کی امداد چھ سال تک دی جائے اس صراحت کے ساتھ کہ ہر سال انجمن کے مطبوعات کے سو سو نسخے یونیورسٹی میں داخل ہوا کریں اور اس کی سالانہ رپورٹ پیش ہوتی رہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ جو رقم دی گئی ہے وہ بجا طور پر صرف ہوتی رہی ہیں۔ (ثبت دستخط مبارک)

نقل مطابق اصل ہے

۱۸ - ذی الحجہ الحرام سنہ ۱۳۵۶ھ

8/6
سالہم ف
بذریعہ
تکمیل

نقل فرمان مبارک اعلیحضرت قدر قدرت حضور پرنور بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

بملاحظہ :- عرضداشت صیغہ تعلیمات معروضہ ۲- ذیقعدۃ الحرام سنہ ۱۳۶۱

جو انجمن ترقی اردو کے امداد کی نسبت ہے -

حکم :- کونسل کی رائے کے مطابق اس انجمن کی مقررہ امداد ۴۵,۰۰۰ بلدہ میں پانچ ہزار سالانہ کی تخفیف کرکے اوس کو بشروط مجوزہ دوامی قرار دیا جائے -

(شرحہ دستخط مبارک)

۱۷- ذیقعدۃ الحرام سنہ ۱۳۶۱

شرحہ دستخط

(عالیجناب نواب صدراعظم بہادر)

۱۸-۱۱-۶۱

نقل مطابق اصل

محمد میر خان

معتمد

سرراس مسعود اور ریاست حیدرآباد

سرسید احمد خان کے نام کے ساتھ ہی جو بڑے نام ذہن کے پردے پر ابھرتے ہیں ان میں سرراس مسعود کا نام بھی شامل ہے۔یہی نہیں بلکہ یہ ایک روشن نام ہے۔سرراس مسعود کی اہمیت اس لئے نہیں ہے کہ وہ سرسید احمد خان کے پوتے تھے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک بلند پایہ ماہر تعلیم اور علم و حکمت کا سرچشمہ تھے۔اس سرچشمے سے ریاست حیدرآباد بھی سیراب و فیض یاب ہوئی ہے۔سرراس مسعود نے ریاست حیدرآباد میں جو تعلیم کے شعبے میں پچھے اور پسماندہ تھی اور جہاں خواندگی کا فیصد بہت کم تھا علم کی روشنی پھیلانے اور تعلیم کو ترقی دینے کے لئے جو خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ریاست حیدرآباد کی تعلیمی ترقی میں حصہ لینے والوں اور اس سلسلے میں حکومت وقت اور علم دوست حکمران کی مرضی اور عزائم کے متعلق اس دور کی تعلیمی پالیسی اور پروگرام کو کامیاب بنانے والوں میں سرراس مسعود کا نام ہمیشہ بلند رہے گا۔راس مسعود نہ صرف ایک بلند پایہ ماہر تعلیم تھے بلکہ وہ ایک ہمہ پہلو شخصیت تھے اور صحیح معنی میں باعمل عالم اور دانشور تھے۔ساتھ ہی ساتھ ان کی انتظامی صلاحیتیں بھی غیر معمولی تھیں۔

سید راس مسعود، سرسید احمد خان کے پوتے اور جسٹس سید محمود کے اکلوتے فرزند تھے۔ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت دادا اور باپ کی خاص نگرانی میں ہوئی۔وہ کم عمری ہی میں دادا اور باپ کی محبت، شفقت اور نگرانی سے محروم ہوگئے۔راس مسعود ۱۹۰۵ء میں دسویں جماعت کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد سرکاری وظیفے پر برطانیہ گئے جہاں سے بی۔اے (آنرز) اور بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس ہوئے۔ابتداء میں پٹنہ میں وکالت کا پیشہ اختیار کیا لیکن انہیں جب یہ اندازہ ہوا کہ یہ پیشہ ان کے لئے ناموزوں ہے تو انھوں نے حکومت بہار و اڑیسہ کی انڈین ایجوکیشن سروس سے وابستگی اختیار کرلی۔حکومت ریاست حیدرآباد نے سید راس مسعود کی اعلیٰ قابلیت اور صلاحیتوں کا اندازہ کرتے ہوئے ان کی خدمات حکومت بہار واڑیسہ سے مستعار لیں اور محکمہ تعلیمات کے ناظم کے عہدے پر مامور کیا۔

اس حیثیت سے انہوں نے بارہ سال تک ریاست حیدرآباد میں جو خدمات انجام دیں اسے بہت سراہا گیا۔ ریاست حیدرآباد کے حکمران نواب میر عثمان علی خان آصف سابع نے راس مسعود کو ان کے حسن خدمت کے اعتراف میں مسعود جنگ کا خطاب عطا کیا۔ حکومت ہند کی جانب سے انہیں سر کا خطاب ملا۔ حکومت ریاست حیدرآباد نے مادری زبان کے ذریعے تعلیم کے مسئلے کا جائزہ لینے کی غرض سے راس مسعود کو ۱۳۱۱ف / ۲۲-۱۹۲۱ء کے دوران تین ماہ کے لئے جاپان روانہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنے دورۂ جاپان سے واپسی پر جاپان کے نظام تعلیم پر انگریزی میں ایک ضخیم کتاب لکھی جو Japan and its Educational System کے نام سے ۱۹۲۳ء میں طبع ہوئی۔ جس کا اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی جانب سے شائع کیا گیا۔

سید راس مسعود ریاست حیدرآباد میں ۱۲ سال سے زیادہ مدت تک ناظم تعلیمات کے عہدے پر کارگزار رہنے کے بعد علالت کے باعث مستعفی ہوئے اور علاج و آرام کے لئے جرمنی چلے گئے۔ انہیں آصف سابع نے دوبارہ ملازمت کے لئے حیدرآباد طلب کیا تھا مگر علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے عہدے کی پیش کشی کی وجہ سے وہ حیدرآباد نہیں آسکے۔ وہ پانچ سال تک علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے بعد ازاں انہیں ریاست بھوپال کا وزیر تعلیم و امور عامہ مقرر کیا گیا جہاں وہ طویل علالت کے بعد ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو انتقال کر گئے۔ اس صدی کے اہم اور ممتاز ناول نگار فورسٹر نے اپنی کتاب A Passage to India راس مسعود کے نام معنون کی تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بیرون ملک دانشوروں اور ادیبوں سے ان کے کتنے گہرے مراسم تھے۔

راس مسعود کو اپنی مادری زبان اردو سے بڑا گہرا لگاؤ اور پیار تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ اپنے ملک سے باہر گزارا تھا لیکن اس کے باوجود مادری زبان اردو سے ان کی الفت و محبت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ تعلیم کے بارے میں ان کا ایقان تھا کہ مادری زبان میں دی جانے والی تعلیم کسی بھی دوسری زبان میں دی جانے والی تعلیم سے بہتر، مفید اور پختہ ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی اسباب کی بناء پر انہیں ریاست حیدرآباد میں محکمہ تعلیم کے ناظم کے عہدے پر مقرر کیا گیا تھا کیونکہ اس وقت ریاست حیدرآباد میں اردو ذریعہ تعلیم کی یونیورسٹی قائم کرنے کا منصوبہ زیر غور تھا۔ راس مسعود کے حیدرآباد آنے کے صرف آٹھ ماہ بعد عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں آصف سابع کا فرمان صادر ہوا۔

راس مسعود کو عثمانیہ یونیورسٹی کالج کے پہلے پرنسپل کی زائد ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

اس مضمون میں سید راس مسعود کے بارے میں آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈز سے اخذ کردہ مواد پیش کیا جارہا ہے جس سے حیدرآباد میں ان کی ملازمت کے بارے میں تفصیلات سے واقف ہونے کا موقع ملے گا اور ان کی کارکردگی اور خدمات کے تعلق سے حکومت اور مہاراجا سرکشن پرشاد کی رائے اور تاثرات سے بھی آگاہی ہوگی۔ راس مسعود کے بارے میں یہ مستند مواد پہلی بار منظرعام پر آرہا ہے۔

ڈاکٹر الماللطیفی کی خدمات حکومت ہند کو واپس کردینے کے بعد ریاست حیدرآباد کے محکمہ تعلیمات کے ناظم کی خدمت کے لئے کئی ناموں پر غور کیا گیا۔ بالآخر قرعہ فال راس مسعود کے حق میں نکلا۔ وہ اس وقت پٹنہ کالجیٹ اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ آصف سابع کے فرمان مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۱۶ء کے ذریعہ راس مسعود کی خدمات ابتدأً تین سال کے لئے ریاست بہار و اڑیسہ سے مستعار لی گئیں۔ راس مسعود ۲ اگسٹ ۱۹۱۶ء کو ناظم تعلیمات کی خدمت پر رجوع ہوئے۔ ابتداء میں ان کا تقرر ۱۱۰۰ تا ۱۴۰۰ روپے کلدار (سکہ ہند)، ۵۰ روپے کلدار اضافہ تدریجی کے ساتھ منظور ہوا لیکن چند روز بعد ہی بذریعہ فرمان مورخہ ۹ سپٹمبر ۱۹۱۶ء جائزہ لینے کی تاریخ سے ابتدائی تنخواہ میں ڈیڑھ سو روپے کا اضافہ کیا گیا اور انہیں سرکاری مکان کی سہولت بھی مفت فراہم کی گئی۔ اس کے علاوہ ایک سو روپے ماہانہ موٹر الاونس مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں حکومت بہار و اڑیسہ سے مشورے کے بعد ان کی تنخواہ میں جو ۱۴۰۰ روپے کلدار تھی ۲ اگسٹ ۱۹۱۹ء سے ۲۰ فیصد اضافہ منظور ہوا۔ اس طرح تاریخ مذکور سے انہیں ۱۶۸۰ روپے کلدار تنخواہ ایصال ہونے لگی۔ راس مسعود کی مدت ملازمت کے ۷ سال مکمل ہونے پر حکومت بہار و اڑیسہ نے تحریک روانہ کی کہ انہیں حکومت ریاست حیدرآباد کی ملازمت سے مستقل طور پر وابستہ کرلیا جائے۔ اس تحریک کے بھیجے جانے کی وجہ یہ تھی کہ راس مسعود کی ملازمت چونکہ حکومت بہار و اڑیسہ سے منقطع نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کی جگہ منصرمانہ خدمات کے انتظام میں دشواریاں پیش آرہی تھیں۔ اس تحریک پر معتمدی تعلیمات نے رائے دی کہ راس مسعود کے دور نظامت میں محکمہ تعلیمات کے ہر شعبے میں ترقی ہوئی ہے۔ مدارسِ ابتدائی سے لے کر مدارسِ ثانوی تک مختلف قسم کی اصلاحات عمل میں آئی ہیں اور راس مسعود کو مقامی حالات کا وسیع تجربہ ہو چکا ہے علاوہ ازیں آصف سابع نے ان کو جاپان بھیج کر وہاں کے تعلیمی

حالات دیکھنے کا موقع عطا کیا جس کی رپورٹ وہ لکھ رہے ہیں ۔ صدر المہام فینانس (سر اکبر حیدری) نے تحریر کیا کہ راس مسعود کے کام کے متعلق ذاتی علم رکھنے کی وجہ سے وہ حرف بہ حرف اس رائے کی تصدیق کرتے ہیں جو معتمدی تعلیمات نے راس مسعود کے متعلق تحریر کی ہے ۔ صدر المہام تعلیمات (ولی الدولہ بہادر) نے لکھا کہ راس مسعود کی ملازمت کا استقلال محکمہ تعلیمات کے حق میں نہایت مفید ہوگا ۔ جب ان تفصیلات کو ایک عرضداشت کے ذریعے آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے بذریعہ فرمان مورخہ ۹ نومبر ۱۹۲۲ء آگاہ کیا کہ اس مسئلے پر راس مسعود کی منظورہ توسیع ختم ہونے پر ہی غور کیا جائے گا ۔ دوبارہ جب راس مسعود کے استقلال کے بارے میں عرضداشت پیش کی گئی تو آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۲۳ء کے ذریعے یہ ہدایت دی کہ حسب ذیل شرائط لکھ کر ان کا عندیہ معلوم کیا جائے ۔ اگر وہ ان شرائط پر بخوشی تیار ہیں تو حکومت مستقل طور پر ان کو یہاں موجودہ خدمت پر رکھ لے گی ورنہ برٹش ملازمت میں واپس جانے کی اجازت دے گی ۔ (۱) ان کی ماہانہ تنخواہ ۱۶۸۰ روپے کے عوض مستقل کئے جانے کی تاریخ سے دو ہزار کلدار مقرر ہوگی (۲) مستقل کئے جانے کی تاریخ سے حکومت ان کو پانچ سال تک خدمت پر بحال رکھے گی اور اس کے بعد ضرورت محسوس ہوگی تو ایک ہزار روپے ماہانہ وظیفے پر علحدہ کردے گی (۳) حکومت ضرورت محسوس کرے تو پانچ سال کے بعد بھی توسیع دے گی (۴) اگر حکومت کسی خاص وجہ سے انہیں اندرون پانچ سال علحدہ کردے گی تو اس وقت بھی بلا لحاظ مدت پانچ سال ایک ہزار روپے وظیفہ دے گی ۔ جب ان احکام کی اطلاع راس مسعود کو دی گئی تو انہوں نے متذکرہ بالا شرائط کے لئے رضامندی ظاہر کی جس پر بذریعے فرمان مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء یہ ہدایت دی گئی کہ متذکرہ بالا شرائط کے مطابق احکام جاری کردئے جائیں ۔ چنانچہ فرمان کی تعمیل میں احکام جاری کردئے گئے ۔ راس مسعود کی ملازمت کے مستقل کردئے جانے کے چار سال بعد راس مسعود نے آصف سابع کی خدمت میں ایک معروضہ پیش کیا کہ کچھ عرصے سے ناموافق آب وہوا کی وجہ سے ان کی صحت خراب رہنے لگی ہے ۔ اس لئے ضرورت ہے کہ تبدیل آب وہوا کے لئے وہ یورپ جائیں اور وہاں کے ممتاز ڈاکٹروں سے مشورہ کریں اور صحت یاب ہونے تک وہیں رہیں ۔ انہوں نے معروضہ میں یہ استدعا کی کہ پانچ سال کی مستقل ملازمت کے بعد جو ایک ہزار کلدار وظیفہ منظور کیا گیا ہے اسے ۲۴ اکتوبر ۱۹۲۸ء سے جاری کرنے کے احکام

صادر کئے جائیں ۔ مہاراجا کشن پرشاد، صدر اعظم نے راس مسعود کی درخواست کے بارے میں اپنی رائے لکھ کر مسل باب حکومت کو روانہ کر دی ۔ راس مسعود کی سبکدوشی کی کارروائی باب حکومت میں پیش ہونے پر اس بارے میں ایک قرار داد منظور کی گئی ۔ اس قرار داد میں کہا گیا کہ " باب حکومت ان کی قابل قدر خدمات کا اعتراف کرتا ہے ۔ باب حکومت ایک ایسے لائق شخص کے علحدہ ہونے کی درخواست کو قبل از وقت سمجھتا ہے مگر وہ اپنی خرابی صحت کی وجہ سے ملازمت سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں ۔ مجبوراً ان کی درخواست کو آصف سابع کی مرضی پر چھوڑنا مناسب خیال کرتا ہے ۔" مہاراجا کشن پرشاد کی رائے اور باب حکومت کی قرار داد کو پیش نظر رکھتے ہوئے آصف سابع نے راس مسعود کو سبکدوش ہونے کی اجازت دے دی ۔ اس بارے میں آصف سابع کا یہ فرمان ۲۶ نومبر ۱۹۲۷ء جاری ہوا تھا " مسعود جنگ کو آئندہ جولائی سے تین ماہ کی رخصت خاص کے ساتھ وظیفہ منظورہ ایک ہزار روپے کلدار ماہانہ پر علحدہ ہونے کی اجازت دی جائے اور بوقت علحدگی ان کی پسندیدہ خدمات کی نسبت منجانب گورنمنٹ اظہار خوشنودی کیا جائے ۔" چنانچہ راس مسعود ۲۵ جولائی ۱۹۲۸ء کو ناظم تعلیمات کے عہدے سے سبکدوش ہوئے اور علاج کے لئے جرمنی چلے گئے ۔

سر راس مسعود کی سبکدوشی کے اندرون چھ ماہ آصف سابع نے انہیں ایک اعلیٰ خدمت کا پیش کش کیا تھا مگر بہتر اور پسندیدہ خدمت کی پیش کش پر وہ حیدرآباد نہیں آئے ۔ اس کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں ۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۲۹ء کے ذریعے باب حکومت کو اطلاع دی کہ آصف سابع نے خانگی طور پر راس مسعود کو ایک خط لکھ کر دریافت کیا ہے کہ کیا وہ دو سال کے لئے مہدی یار جنگ کی جگہ پولیٹکل سکریٹری کی خدمات پر کام کرنے آمادہ ہیں ۔ آصف سابع کو توقع تھی کہ راس مسعود اس پیش کش کو قبول کر لیں گے بشرطیکہ ان کی صحت اجازت دے ۔ آصف سابع نے اس فرمان میں اس خیال کا بھی اظہار کیا تھا کہ پولیٹکل سکریٹری کی خدمت کے لئے راس مسعود سے بہتر کوئی دوسرا شخص دستیاب نہیں ہو سکتا ۔ چند روز بعد آصف سابع کے فرمان ۱۸ فبروری ۱۹۲۹ء سے یہ علم ہوتا ہے کہ راس مسعود نے پولیٹکل سکریٹری کی خدمت قبول کر لی تھی اور آصف سابع نے آئندہ ماہ اپریل میں حیدرآباد آکر جائزہ حاصل کر لینے کی ہدایات روانہ کر دی تھیں ۔ راس مسعود اپنی آمادگی کے اظہار کے باوجود دیگر وجوہ کی بنا پر اس عہدے کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے حیدرآباد نہ آسکے ۔ انہوں نے جرمنی سے آصف سابع کی خدمت میں ایک درخواست روانہ کی جس میں انہوں نے لکھا کہ انہوں نے پولیٹکل سکریٹری کی خدمت قبول کر لی تھی مگر اب انہیں تین

سال کے لئے علی گڑھ یونیورسٹی کے چانسلر کے عہدے کا پیش کش کیا گیا ہے۔ یونیورسٹی کے موجودہ حالات اور یونیورسٹی سے ان کے قریبی تعلق کے پیش نظر وہ اس کی خدمت کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں لہذا انہیں پولیٹکل سکریٹری کی خدمت کو قبول کرنے سے معاف رکھا جائے۔
آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۲۹ء کے ذریعے راس مسعود کی درخواست منظور کرلی۔
جب راس مسعود ریاست حیدرآباد میں ناظم تعلیمات تھے تو ان کی اس ملازمت کے دوران حکومت حیدرآباد نے محکمہ تعلیمات بابت ۲۷-۱۹۲۶ء پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کی شاندار خدمات کو حسب ذیل الفاظ میں سراہا تھا۔
" راس مسعود کے دور نظامت میں مدارس اور طلبہ کی تعداد تین گنی ہوگئ ہے۔ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر وہ بجا طور پر فخر کرسکتے ہیں۔ انہوں نے جامعہ عثمانیہ کے قیام اور اس کے بعد کے امور میں مستعدی سے حصہ لے کر جامعہ عثمانیہ کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں اس کے لئے حکومت ان کی شکر گزار ہے۔ متعدد کارکرد عہدیداروں کی تربیت راس مسعود کا ایک اور کارنامہ ہے۔"
راس مسعود کی ناظم تعلیمات کے عہدے سے سبکدوشی کی درخواست کی مسل جب ریاست کے صدر اعظم مہاراجا کشن پرشاد کے پاس پیش ہوئی تھی تو انہوں نے اس مسل پر اپنے قلم سے حسب ذیل جملے تحریر کئے تھے۔
" اس معاملے میں میری دلی خواہش تو یہ ہے کہ مسعود جنگ بہادر ابھی سرکاری ملازمت میں رہیں اور سرکار ابد قرار چند سالہ قابل خدمات کے صلے میں ترقی مدارج کے ساتھ ان کو اپنی ریاست میں ابھی خدمت گزاری کا موقع دیں لیکن ان کی خواہش اپنی صحت اور اپنی اولاد کی تعلیم کا انتظام کرنے کے لئے جانے کی ہے لہذا اگر یہ جائیں تو مجھ کو ان کے یہاں سے چلے جانے کا گہرا افسوس رہے گا۔ بلاشبہ مسعود جنگ بہادر جیسے ثقہ، شریف اور لائق افراد کی موجودگی خود حکومت کے لئے سرمایہ ناز تھی۔"

ماخذ

۱) نشان محافظی ۲۵ ۷، نشان صیغہ تعلیمات ۶۰ ۷ بابتہ ۱۳۲۵ف
مقدمہ :- درباره تقرر سر سید راس مسعود صاحب بر خدمت نظامت تعلیمات
(2) Instalment No. 83, List No.4, Serial No. 17
مقدمہ :- انتخاب نواب مسعود جنگ بہادر (وظیفہ یاب ناظم تعلیمات) برائے عہدۂ معتمدی سیاسیات

جوش ملیح آبادی اور ریاست حیدر آباد

اردو کے بلند مرتبت اور اپنے عہد کے نمائندہ شاعر جوش ملیح آبادی کا حیدر آباد سے بڑا قریبی تعلق اور گہرا لگاؤ رہا ہے۔ حیدر آباد نے جوش کو جب کہ وہ ایک جواں سال ابھرتے ہوئے شاعر تھے، ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور ان کی خوب قدر افزائی کی تھی۔ خود بقول جوش انہوں نے حیدر آباد میں اپنی جوانی کے بہترین ایام صرف کئے تھے اور حیدر آباد نے ان کی شاعری کو آب و رنگ بخشا اور علم و فکر کا راستہ دکھایا تھا۔

جوش نے حیدر آباد میں اپنی عمر عزیز کے لگ بھگ دس سال گزارے تھے۔ انہوں نے یہاں دار الترجمہ میں ملازمت کی تھی اور جب ان پر شاہی عتاب نازل ہوا تھا تو وہ "ریاست بدر کر دئے گئے تھے۔ حیدر آباد سے چلے جانے کے بعد انہیں حیدر آباد کی یادیں بہت ستاتی رہیں۔ انہوں نے متعدد بار حیدر آباد میں اپنے داخلے پر امتناع برخاست کروانے اور حیدر آباد آنے کی کوشش کی تھی، لیکن سابق حیدر آباد کے وجود تک وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے تھے

یہ مضمون جوش ملیح آبادی کی دار الترجمہ میں ملازمت، ان کے ریاست حیدر آباد سے اخراج اور ان کی دوبارہ حیدر آباد آنے کی کوشش کا احاطہ کرتا ہے جو آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ذخائر میں جوش سے متعلق ریکارڈز کے مواد پر مبنی ہے۔ دار الترجمہ کی ملازمت اور ریاست حیدر آباد سے اخراج سے متعلق جوش کی خود نوشت سوانح "یادوں کی برات" میں جو بیانات موجود ہیں، ان کا میں نے آرکائیوز کے ریکارڈز کی روشنی میں

جوش پر میرے "تین مضامین" جوش ملیح آبادی کی دار الترجمہ میں ملازمت"، "جوش ملیح آبادی کا ریاست حیدر آباد سے اخراج" اور "جوش ملیح آبادی کی دوبارہ حیدر آباد آنے کی کوشش" دس گیارہ برس قبل روزنامہ سیاست میں شائع ہوئے تھے۔ یہ تینوں مضامین سابق حیدر آباد پر میری کتاب" بیرونی مشاہیر ادب اور حیدر آباد" میں شامل ہیں۔ میں نے ان تینوں مضامین کے مواد کو اس مضمون میں قلمبند کر دیا ہے تاکہ ان تین مضامین میں دستیاب جوش اور حیدر آباد سے متعلق سارا مستند مواد یکجا ہو جائے۔

جائزہ لے کر حقائق کو پیش کرنے کی کوشش ہے۔ جوش نے اپنی سوانح میں دوبارہ حیدرآباد آنے کی اپنی کوششوں کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ مضمون کا یہ حصہ مکمل طور پر آرکائیوز کے ریکارڈز سے اخذ کردہ مواد کی بنیاد پر قلم بند کیا گیا ہے۔

جوش ملیح آبادی نے عثمانیہ یونیورسٹی، کے اس شہرہ آفاق دارالترجمہ میں نو سال سات ماہ تک ذمہ دارانہ خدمات انجام دی تھیں جو ملک میں پہلی بار ایک ہندوستانی زبان اردو کو اعلیٰ ترین جامعاتی سطح پر ذریعہ تعلیم بنانے کے بعد ترجمے اور اصطلاحات کی ٹکسال کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا۔ جوش کی اس ملازمت کے بارے میں جو کچھ بھی شائع ہوا، اس سے برائے نام معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ کسی نے جوش کی حیدرآباد کی ملازمت کے بارے میں یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ کس تاریخ کو دارالترجمہ میں مترجم کی حیثیت سے رجوع ہوئے تھے، کتنی مدت تک وہ اس عہدے پر فائز رہے، ناظر ادبی کے عہدے پر انہیں کب ترقی ملی، ان کی مدت ملازمت ٹھیک کتنی تھی اور کس تاریخ کو عتاب شاہی کے باعث انہوں نے حیدرآباد چھوڑا تھا۔ اس تعلق سے جو بھی معلومات ملتی ہیں ان کا ماخذ جوش کی خود نوشت سوانح "یادوں کی برات" ہے۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں اس بارے میں کافی مواد موجود ہے۔ اس مواد کی چھان بین اور تحقیق کے بعد اس مضمون میں جوش اور حیدرآباد کے بارے میں نئی معلومات پیش کی جارہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ جوش کی کہی ہوئی باتوں کی توثیق، توضیح اور تردید بھی کی گئی ہے۔

جوش کی حیدآباد کی ملازمت کے بارے میں لکھنے سے قبل ان کے حیدرآباد آنے کے اسباب اور یہاں حصول ملازمت کے لئے ابتدائی کوششوں کو پس منظر کے طور پر بیان کرنا ضروری ہے۔ اس تعلق سے جوش اپنی سوانح حیات میں ۱۹۲۲ء کے ایک خواب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظام دکن (سابق حیدرآباد کے آخری حکمراں آصف سابع نواب میر عثمان علی خان) کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جوش سے ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں دس برس تک ان کے زیر سایہ رہنا ہے۔ اس خواب کی تفصیلات سن کر بیگم جوش حیدرآباد جانے کے لئے مصر ہو گئی تھیں۔ جوش مزید لکھتے ہیں کہ دکن کا سفر ان کے لئے خالی ایک معاشی مسئلہ ہی نہیں تھا بلکہ ان کی ایک رومانی گتھی بھی ایسی تھی جو حیدرآباد گئے بغیر کھل ہی نہیں سکتی تھی۔ ابتدا میں جوش کو یہ اندیشہ تھا کہ یونیورسٹی کی کوئی اعلیٰ ڈگری

ان کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے حیدر آباد میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔ ایک اور اندیشہ یہ بھی تھا کہ شاید ان کا مزاج ملازمت کی ذلتیں برداشت نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ کئی احباب اور اقربا نے بھی اسی بنا پر انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ حیدر آباد جانے کے ارادے کو ترک کر دیں لیکن جوش نے حالات کے تقاضوں اور بیوی کے اصرار پر سفرِ حیدر آباد کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا اور وہ مہاراجا سر کشن پرشاد کے نام علامہ اقبال، مولانا عبدالماجد دریابادی، اکبر الہ آبادی اور مولانا سلیمان ندوی کے سفارشی خطوط لے کر ۱۹۲۴ء کے اوائل میں حیدر آباد پہنچے۔ حیدر آباد میں جب جوش مہاراجا سر کشن پرشاد سے ملے تو مہاراجا نے کہا کہ وہ آصف سابع کے معتوب ہو چکے ہیں اور اگر جوش ان کے معتوب ہونے سے پہلے حیدر آباد آتے تو پہلے ہی روز ان کا انتظام ہو جاتا۔ تاہم مہاراجا نے تین صفحات پر مشتمل ایک سفارشی خط فینانس منسٹر اکبر حیدری کے نام لکھ کر جوش کے حوالے کیا اور اسی وقت فون پر اکبر حیدری سے اس سلسلے میں بات بھی کی۔ مہاراجا کی ہدایت کے مطابق جوش سر راس مسعود کے ساتھ اکبر حیدری سے ملے، لیکن دوسری ملاقات میں جب اکبر حیدری نے انہیں انگریزی حکومت سے سر کا خطاب ملنے پر تہنیتی قطعہ کہنے کی فرمائش کی تو جوش کے باغیانہ مزاج کو یہ بات گوارا نہ ہوئی۔ جوش نے اس فرمائش کے جواب میں اپنے ردعمل کا اظہار ایک نہایت سخت جملے سے کیا اور اہم وسیلے سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب یہ واقعہ مہدی یار جنگ کو معلوم ہوا تو وہ جوش کو اپنے والد محترم عماد الملک کے پاس لے گئے۔ جوش کا تعارف کروانے کے بعد ان سے کلام سنانے کی فرمائش کی جس پر جوش نے اپنے ایک مسدس کے چند بند سنائے۔ عماد الملک جوش کے کلام کی روانی اور معانی سے متاثر ہوئے اور انہوں نے فوراً پورے ایک صفحے کا خط جوش کے بارے میں لکھ دیا اور مہدی یار جنگ سے کہا کہ یہ خط سر امین جنگ کے حوالے کر کے کہنا کہ اسے آصف سابع کے روبرو پیش کریں۔

جوش کے بارے میں جو پہلا فرمان مورخہ ۲۸ شوال ۱۳۴۲ھ مطابق ۲ جون ۱۹۲۴ء آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں دستیاب ہے وہ عماد الملک کے سفارشی معروضہ پر جاری ہوا تھا۔ چونکہ عماد الملک نے اپنے سفارشی معروضہ میں صرف جوش کی شاعری کی خصوصیات اور خوبیاں بیان کی تھیں اور ان کے تقرر کے لئے کسی مخصوص جائیداد کی نشاندہی نہیں کی تھی اس لئے اس فرمان میں جوش کا عندیہ دریافت کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی پوچھا گیا تھا

کہ کیا جوش کو عثمانیہ یونیورسٹی میں کوئی جگہ مل سکتی ہے۔ یہ فرمان اور عماد الملک کا سفارشی معروضہ آندھرا پردیش آرکائیوز کی ایک مسل (فائل) میں موجود ہے۔

اکبر حیدری سے دوسری ملاقات کے بعد جوش یہ سمجھنے لگے تھے کہ نہ صرف اکبر حیدری اور سر راس مسعود ان کے مخالف ہو گئے تھے بلکہ ان حضرات کے طرفدار اور پرستار بھی ان کے بدخواہ ہو گئے تھے۔ ان کا یہ گمان صحیح بھی ہو سکتا ہے، لیکن متذکرہ مسل میں عماد الملک کے معروضے کے علاوہ انگریزی میں اکبر حیدری کا سفارشی خط موجود ہے اور فرمان مورخہ ۲ جون ۱۹۲۴ء میں بھی اس خط کا حوالہ موجود ہے۔

دار الترجمہ میں تقرر کے سلسلے میں ابتدائی کارروائی کی جو تفصیل جوش نے بیان کی ہے آرکائیوز کی ریکارڈ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تفصیل صحیح نہیں ہے۔ طوالت کے خوف سے بیانات کے اختلاف پر بحث کو شریک مضمون نہیں کیا جارہا ہے۔

جوش اپنے تقرر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مولوی عنایت اللہ ناظم دار الترجمہ کے ذریعے انہیں اطلاع ملی کہ آصف سابع نے انگریزی ادب کے مترجم کی حیثیت سے ان کا تقرر کر دیا ہے۔ اس کے بارے میں جوش نے لکھا ہے کہ فرمان میں یہ لکھا تھا کہ ہرچند اس نئے عہدے کے قیام کا کوئی جواز نہیں ہے لیکن سردست جوش کا مترجم انگریزی ادب کے عہدے پر فوراً تقرر کیا جائے اور جب ان کو ترقی مل جائے تو اس عہدے کو توڑ دیا جائے۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں دستیاب اصل فرمان مورخہ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ م ۲۶ ڈسمبر ۱۹۲۴ء کی تحریر یہ ہے۔ "جوش ملیح آبادی کو انگلش لٹریچر کے کتب کا ترجمہ کرنے کے لئے امتحاناً دو سال کے لئے ڈھائی سو روپے ماہوار کی جگہ دی جائے۔ مگر پہلے ان سے استمزاج کیا جائے کہ وہ اس آفر کو منظور کرتے ہیں یا نہیں اور ان سے یہ بھی کہہ دیا جائے کہ اگر ان کو یہ منظور نہیں ہے تو اس سے بڑھ کر ان کے حق میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ کارروائی داخل دفتر کر دی جائے گی۔"

آرکائیوز کے ریکارڈ کے مطابق جوش نے یہ خدمت قبول کر لی اور وہ ۲۹ بہمن ۱۳۳۴ف مطابق یکم جنوری ۱۹۲۵ء کو رجوع ہو گئے اور اس خدمت پر ۸ آبان ۱۳۳۵ف مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۲۶ تک برسرکار رہے۔

آرکائیوز کی ایک مسل سے دار الترجمہ میں ناظر ادبی کی خدمت پر جوش کی ترقی کے بارے میں یہ تفصیلات ملتی ہیں۔ حیدر نظم طباطبائی توسیع ملازمت ختم ہونے پر ناظر ادبی کی

خدمت سے علحدہ ہوئے اور اس جائداد پر تقرر کے لئے تین اشخاص (۱) آغا محمد حسین (۲) شبیر حسین خاں جوش اور (۳) محمد علی شاہ نے درخواستیں دی تھیں۔ناظم دار الترجمہ نے اوپر کے پہلے دو ناموں کے علاوہ دار الترجمہ کے دو اراکین مرزا ہادی رسوا اور عبداللہ عمادی کے ناموں کی بھی پرزور سفارش کی تھی لیکن نواب اکبر یار جنگ، معتمد عدالت، کوتوالی و امور عامہ نے ان تمام امیدواروں میں سے جوش کی پرزور سفارش کرتے ہوئے یہ بھی لکھا تھا کہ اس خدمت پر جوش کے تقرر سے سرکاری بچت بھی ہوگی یعنی ان کی موجودہ جائداد تخفیف کی جاسکتی ہے۔ اراکین مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ، سر نظامت جنگ، حیدر نواز جنگ، ضیاء یار جنگ، مرزا یار جنگ بہادر، مسعود جنگ بہادر (سر راس مسعود) اور محمد عبدالرحمن خاں صدر کلیہ نے اکبر یار جنگ کی رائے سے اتفاق کیا تھا جس پر فرمان مورخہ غرہ ربیع الاول ۱۳۴۵ مطابق ۹ ستمبر ۱۹۲۶ء جاری ہوا۔اس فرمان کے ذریعے دار الترجمہ کے ناظر ادبی کی جائداد پر ایک سال کے لئے امتحاناً جوش کا تقرر بہ ماہوار ۵۰۰ روپے کیا گیا اور ان کی مترجمی کی جائداد تخفیف کر دی گئی۔ جوش نے ۶ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۲۶ء کو اس خدمت کا جائزہ لیا۔ان کی مدت ملازمت ختم ہونے پر توسیع کے لئے فرمان جاری ہوئے یہاں تک کہ وہ آصف سابع کے معتوب ہوئے اور انہیں ریاست چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔حیدر آباد سے وہ ۱۷ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ م ۲۲ مہر ۱۳۴۳ف م ۲۸ اگست ۱۹۳۴ء کو واپس ہوئے اور اس تاریخ تک دار الترجمہ میں مترجم اور ناظر ادبی کی حیثیت سے ان کی مدت ملازمت ۹ سال ۷ ماہ ۲۸ یوم ہوتی ہے۔

حیدر آباد دکن، اس کی تہذیب اور اس کی فضاؤں سے جوش کی چاہت بے پناہ محبت کا درجہ اختیار کر چکی تھی۔ان کی شاعری اور دیگر تحریروں میں اس کی متعدد شہادتیں ملتی ہیں۔ حیدر آباد سے گہرے لگاؤ کے باوجود جوش کے لئے حالات ایسے پیدا ہوگئے تھے کہ انہیں ریاست بدر ہو کر حیدر آباد سے نکلنا پڑا تھا۔حیدر آباد سے ان کے اخراج کے حقیقی اسباب کیا تھے۔اس تعلق سے اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے یا خود جوش نے لکھا ہے اس سے ساری گرہیں نہیں کھلتیں اور یہ مسئلہ ہنوز حل طلب ہے۔

جوش نے اپنی خود نوشت سوانح میں حیدآباد سے اخراج کے سلسلے میں تفصیلات بیان کرتے ہوئے آصف سابع کے چند فرامین اور احکام کا بھی حوالہ دیا ہے۔ ان حوالوں کا آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ اصل ریکارڈز کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے تاکہ

مستند ریکارڈ کی بنیاد پر جوش کے اخراج کے اصل واقعات اور اہم امور سے پڑے ہوئے دبیز پردے ہٹائے جاسکیں۔ جوش نے "یادوں کی برات" میں اپنے اخراج کا اصل سبب بیان کرتے ہوئے اس کی تفصیلات یوں بیان کی ہیں کہ جس روز انہوں نے اپنی نظم "غلط بخشی" جاگیرداروں اور وزیروں کے اجتماع میں سنائی تھی اس کے دوسرے روز ہی یہ نظم آصف سابع تک پہنچ گئی کیوں کہ اس اجتماع میں خفیہ پولیس کے لوگ بھی موجود تھے۔ آصف سابع نے اس نظم پر اپنا کوئی سخت ردعمل ظاہر کرنے کی بجائے بڑے خفیہ انداز میں آغا جانی، نائب کوتوال کو جوش کے پاس بھیجا جنہوں نے جوش سے کہا کہ آصف سابع نے فرمایا ہے کہ اگر جوش آصف سابع سے معافی طلب کر کے اس بات کا عہد کر لیں کہ وہ آئندہ ان کے خلاف کچھ نہیں کہیں گے تو آصف سابع تہہ دل سے انہیں معاف کر دیں گے۔ آغا جانی نے جوش کو آصف سابع کے پاس چلنے کے لئے اصرار کے ساتھ کہا، لیکن جوش نے کہدیا کہ وہ معافی مانگنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بیگم جوش کے سخت اصرار کے باوجود جوش ٹس سے مس نہیں ہوئے اور پھر انہوں نے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ آصف سابع کی خدمت میں جب یہ استعفیٰ پیش ہوا تو آصف سابع کے غصہ کو بھانپ کر ان کے معتمد پیشی نے جوش کا استعفیٰ پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا اور اسی وقت آصف سابع نے فرمان لکھوایا کہ جوش ملیح آبادی کو ممالک محروسہ سے خارج کیا جاتا ہے۔ وہ پندرہ دن کے اندر اندر روانہ ہوجائیں اور تاحکم ثانی یہاں قدم نہ رکھیں۔ یہ فرمان لے کر آغا جانی جوش کے پاس گئے جوش کو فرمان بتا کر کہا کہ سرکار کسی پر عتاب فرماتے ہیں تو اسے چوبیس گھنٹے کے اندر نکال دیتے ہیں........... مگر آپ کو ۲۴ گھنٹے کی بجائے پورے پندرہ دن کی مہلت دی گئی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ صورت حال کو ٹھنڈے دل سے سمجھ کر معافی مانگ لیں اور یہ فرمان واپس لے لیا جائے اور اس میں حکم ثانی لکھ کر آپ کی واپسی کو ناممکن نہیں بنایا گیا ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ چل کر معافی مانگ لیں تو یہ فرمان یقیناً منسوخ کر دیا جائے گا لیکن جوش معافی نہ مانگنے کے فیصلے پر قائم رہے۔

متذکرہ بالا فرمان جاری ہونے سے قبل آغا جانی، نائب کوتوال نے آصف سابع کا جو زبانی پیام جوش تک پہنچایا تھا، اس کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں جاسکتا مگر فرمان کے جن دو نکات کی آغا جانی نے وضاحت کی تھی، اس پر کسی قسم کے تبصرے کے بجائے آندھراپردیش

اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ اصل احکام مورخہ ۲ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۳ اگست ۱۹۳۴ء کی تحریر کو درج کرنا بہتر ہوگا۔ "اس شخص کو اگرچہ بیشتر متنبہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے اعمال کو درست کرلے ورنہ اس کی علحدگی عمل میں آئے گی مگر افسوس ہے کہ اس کا کچھ نتیجہ اچھا نہیں نکلا بلکہ سابقہ حالات ایک حد تک ابھی باقی ہیں۔ لہذا مناسب ہوگا کہ جس مدت کے لئے وہ یہاں ملازم تھا اس حساب سے کچھ ماہور بطور رعایت اس کے نام جاری کرکے (جس کی مقدار سے پہلے یہاں اطلاع دی جائے) اس کو کہہ دیا جائے کہ وہ دو ہفتوں میں یہاں سے خاموشی سے وطن چلا جائے اور بغیر اجازت پھر یہاں آنے کا قصد نہ کرے۔"

اپنے اخراج کے بارے میں جوش آگے لکھتے ہیں کہ وہ حیدرآباد چھوڑنا طے کرچکے تھے، مگر اپنے افراد خاندان، عزیز و اقارب اور نوکروں کو ساتھ لے جانے کے لئے ان کے پاس درکار رقم موجود نہیں تھی۔ ابتدائی دس گیارہ روز یوں ہی سوچ بچار میں گزر گئے اور پیسوں کا کوئی بندوبست نہ ہوسکا۔ بالآخر وہ اپنے دوست حکیم آزاد انصاری کے مشورے پر قرض کی درخواست لئے سر اکبر حیدری کے پاس گئے جنہوں نے قرض منظور کردیا اور جوش کو دوسرے ہی روز پانچ ہزار روپے مل گئے۔ جوش کی اس بیان کی سرکاری ریکارڈز کی روشنی میں توثیق ضرور ہوتی ہے، لیکن رقم کی مقدار کے بارے میں جوش نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ انہوں نے غالباً اپنی آن بان اور مقام و مرتبے کو ظاہر کرنے کے لئے یہ بیان کیا کہ انہیں پانچ ہزار روپے بطور قرض ادا کئے گئے تھے جب کہ محکمہ تعلیمات کی عرض داشت مورخہ ۲۸ شعبان ۱۳۵۳ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۳۴ء کی رو سے جوش کو حیدرآباد سے روانگی کے وقت ایک ہزار روپے کلدار بطور مبادلہ دئے گئے تھے۔

جوش اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں کہ ان کی حیدرآباد سے روانگی کے موقع پر نواب ذوالقدر جنگ، آصف سابع کا جو فرمان لے کر ریلوے اسٹیشن آئے تھے وہ فرمان انہیں حرف بحرف یاد نہیں رہا، لیکن اس کا مفہوم یہ تھا "جوش ملیح آبادی آج ہندوستان جارہے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ وہ........ جاکر اپنے قلم کو ہمارے خلاف استعمال نہ کریں اور معافی پر تیار ہوں تو ہنوز گنجائش باقی ہے" مگر جوش ان احکام کو نظرانداز کرتے ہوئے حیدرآباد سے روانہ ہوگئے۔ جوش کا یہ بیان سرکاری کاغذات کی روشنی میں سراسر غلط ہے۔ آصف سابع کے اصل احکام مورخہ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۷ اگست ۱۹۳۴ء میں جوش سے معافی مانگنے کے لئے

نہیں کہا گیا ہے اور احکام کا لہجہ بھی کافی درشت ہے۔ احکام کی حسب ذیل تحریر سے قارئین خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ جوش ملیح آبادی کل یوم سہ شنبہ یہاں سے اپنے وطن چلا جارہا ہے۔ پس اس کو بتوسط صیغہ متعلقہ حکم سنایا جائے کہ جو کچھ وظیفہ (از روئے سروس) اس کو ملے گا تو وہ اس شرط پر کہ وہ بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی خاموشی سے زندگی بسر کرے یعنی وہاں رہ کر اگر یہ پھر اپنے خبث باطن کا اظہار کرے گا (جیسا کہ اس کی عادت رہی ہے) تو بعد تصدیق یہ وظیفہ بھی پاداشاً مسدود ہو جائے گا۔ وبس۔"

جوش کی بیان کردہ تفصیلات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں دارالترجمہ کی ملازمت سے ہاتھ دھونا، حیدر آباد چھوڑنا اور غیر یقین مستقبل کی تاریک راہوں میں بھٹکنا گوارا تھا، لیکن معافی مانگنا ہرگز گوارا نہ تھا۔ انہوں نے اپنا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ انہیں معافی مانگنے کے لئے مختلف طریقوں سے کہا گیا مگر وہ اپنی انا اور خود داری کو ٹھیس پہنچاتے ہوئے معافی مانگنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انہوں نے یہ تذکرہ بھی کہیں نہیں کیا ہے کہ حیدر آباد کے قیام کے دوران انہیں کبھی آصف سابع سے معافی مانگنا پڑا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اخراج کے واقعہ سے صرف دس ماہ قبل ایک موقع پر آصف سابع نے جوش سے جواب طلب کیا تھا جس پر جوش نے معافی نامہ داخل کیا تھا۔ اس واقعے کے بارے میں جوش کی بیان کردہ تفصیلات کچھ یوں ہیں کہ آصف سابع کی ایک سال گرہ کے موقع پر ایک رسالے کے مدیر نے ان کی ایک بہاریہ نظم قصیدہ بنا کر شائع کر دی تھی جس میں سال گرہ کی جانب کوئی ادنیٰ سا اشارہ یا آصف سابع کی مدح میں کوئی شعر نہ تھا، مگر اس کے حسب ذیل مقطع پر شاہی عتاب نازل ہو گیا۔

کبھی جوش کے جوش کی مدح فرما
کبھی گل رخوں کی ثنا خوانیاں کر

دوسرے ہی روز فرمان شائع کیا گیا کہ معلوم ہوتا ہے "یہ قصیدہ جوش نے کسی خاص وقت (ہنگام بادہ نوشی) میں کہا ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ ایسے اوقات میں سرکار کو یاد نہ کریں۔

اگر وہ آئندہ ایسا کریں گے تو اچھا نہیں ہوگا" ۔جوش نے آصف سابع کے احکام کی جو تحریر درج کی ہے وہ سراسر غیر درست ہے اس کے علاوہ انہوں نے دیگر تفصیلات بھی بیان کرنے سے احتراز کیا ہے۔

ذیل میں آرکائیوز میں محفوظ آصف سابع کے احکام مورخہ ۱۶ رجب ۱۳۵۲ھ م ۵ نومبر ۱۹۳۳ء درج کئے جاتے ہیں جو اس موقع پر جاری ہوئے تھے۔

"جوش ملیح آبادی سے جواب لیا جائے کہ انہوں نے اخبار "منشور" کے سال گرہ نمبر میں جو نظم لکھی ہے جس کا عنوان "نعرہ جشن" قرار دیا ہے اس کے مقطع میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں، وہ سراسر رئیس کی سوء ادبی پر محمول ہوتے ہیں ۔ پس ان کو چاہیے کہ وہ آئندہ سے ایسی حرکات سے باز رہیں ورنہ ان سے سخت باز پرس کی جائے گی جس صورت میں کہ بار دیگر ایسی غلطی ہوگی وبس ۔"

ان احکام کی تعمیل میں جوش نے جو معروضہ یا معافی نامہ مورخہ ۲۷ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا تھا وہ آرکائیوز کی ایک مسل میں موجود ہے ۔یہ معافی نامہ تین فل اسکیپ سائز کے کاغذ پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے "فدوی ایک شریف خاندان کا رکن ہے اور شریف اپنے محسنون پر جان نثار کر دیا کرتے ہیں ۔یہ کیونکر ممکن ہے کہ فدوی اپنے اتنے بڑے عظیم المرتبت محسن اعظم کی شان میں سوء ادب کا تصور بھی اپنے ذہن میں لاتا جو محسن ہونے کے علاوہ اس کی قوم کا واحد تاجدار بھی ہے" جوش اپنے معافی نامہ میں آگے لکھتے ہیں کہ صبح دکن کے سالگرہ نمبر کے لئے تہنیتی نظم دینے کے بعد مدیران نظام گزٹ اور منشور نے ان سے کلام دینے کے لئے اصرار کیا۔اسی اثنا میں وہ سخت بیمار ہوگئے اور ایک دن بخار کی کیفیت میں اپنی ایک بہاریہ غزل مدیر منشور کو دیدی جس میں انہوں نے محض اپنی ہی ذات سے خطاب کیا ہے۔بخار کی شدت کے باعث ان سے جو غلطی سرزد ہوئی، اس کا اعتراف کرتے ہوئے وہ بہ کمال ادب معافی کے خواستگار اور آصف سابع سے عفو و درگزر کرنے کی درخواست کرتے ہیں ۔جوش اپنے معافی نامے میں ایک جگہ لکھتے ہیں "فدوی کو بے پایاں پشیمانی اور ملال کے ساتھ اپنی اس غلطی کا اعتراف ہے کہ اس نے اس غزل پر "بہ تقریب سالگرہ کی سرخی کیوں قائم کر دی ۔" مگر "یادوں کی برات" میں جوش کا یہ کہنا

کہ اس میں نظام سابع کی سال گرہ کی جانب کوئی ادنیٰ سا اشارہ موجود نہ تھا، قطعی درست نہیں ہے۔ معافی نامہ داخل کرنے کے باوجود جو فرمان مورخہ ۱۸ شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۳۳ء کو صادر ہوا تھا اس کا متن درج ذیل ہے۔

"اس نے اپنی دیدہ و دانستہ غلطی کو جو ایک عذر لنگ کے ساتھ پیش کیا ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس سے درگزر کیا جائے تاہم میں اس شرط کے ساتھ معافی دیتا ہوں کہ آئندہ اگر پھر اس سے ایسی غلطی سرزد ہوئی تو ۲۴ گھنٹے کے اندر اس کو خدمت سے علحدہ کر دیا جائے گا کیوں کہ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس کی پرائیوٹ لائف ہرگز اطمینان کے قابل نہیں ہے اور ایسے کیرکٹر کے اشخاص کو سرکاری محکمہ میں جگہ دینا گویا محکمہ کی تذلیل ہے۔ یہی جواب اس کو بتوسط صیغہ متعلقہ دے کر کارروائی داخل دفتر کر دی جائے۔"

متذکرہ بالا فرمان میں جوش کو مشروط طور پر معاف اور آئندہ کے لئے سخت طور پر متنبہ کیا گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد دس ماہ کے اندر ہی جوش پر پھر شاہی عتاب نازل ہوا اور وہ ریاست بدر کر دئے گئے جس کی تفصیلات اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔

جوش دارالترجمہ میں ۹ سال ۷ ماہ ۲۸ یوم تک ملازمت انجام دینے کے بعد حیدرآباد سے واپس ہو گئے۔ ان کے وظیفے کے تعین کی نسبت ایک عرضداشت مورخہ ۲۸ شعبان ۱۳۵۳ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۳۴ء صیغہ تعلیمات کی جانب سے آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس پر فرمان مورخہ ۱۷ شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۳ جنوری ۱۹۳۵ء جاری ہوا جس کے ذریعے جوش کے نام ایک سو روپے کلدار وظیفہ جاری کئے جانے کے احکام صادر ہوئے۔ وظیفہ کے اجرا کے احکام کے ساتھ یہ شرط بھی عائد کی گئی کہ آئندہ کسی قسم کی نازیبا حرکت کرنے پر یہ وظیفہ مسدود کر دیا جائے گا۔

جو حضرات جوش کے قیام حیدرآباد کے حالات سے پوری طرح واقف نہیں ہیں وہ ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے کہ ریاست حیدرآباد کے اس دور کے حالات سے مطابقت پیدا کرنا کتنا دشوار تھا۔ جوش کے تعلق سے آصف سابع کے فرامین میں درج الفاظ اور ان کے

لب و لہجے سے کوئی غلط تاثر نہیں لینا چاہیے کہ جوش کا مرتبہ بلند نہیں تھا کیوں کہ یہ لہجہ اور یہ زبان فرمان (شاہی احکام) کی سرکاری و قانونی زبان تھی ۔آصف سابع اگر جوش کے بلند مرتبے کے معترف نہ ہوتے تو انہیں ملازمت فراہم کرنے میں دل چسپی نہ لیتے اور اندرون دو سال ترقی دے کر حیدر نظم طباطبائی جیسے جید عالم و دانشور کی جگہ انہیں مامور نہ کرتے ۔ خفگی و ناراضگی کی انتہا اور عتاب کے باوجود ، "ریاست بدر" کیے جانے پر ۱۹۳۵ء میں ایک سو روپے کلدار وظیفہ کی منظوری دینا جوش کے مقام و مرتبے کے اعتراف کی حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ اس زمانے میں یہ رقم آج کے ہزاروں روپیوں پر بھاری تھی ۔

جوش کو آصف سابع کے احکام کی تعمیل میں حیدر آباد چھوڑنا پڑا تھا ، اس سے قبل انہوں نے دس سال ہی حیدر آباد میں گزارے تھے لیکن حیدر آباد کی یادیں کبھی بھی ان کے دماغ سے محو نہ ہو سکی تھیں ۔جوش کی سوانح "یادوں کی برات" میں آصف سابع کے دربار کے چند واقعات کے علاوہ دار الترجمہ کا تذکرہ بھی شامل ہے ، جس میں انہوں نے اپنی اور دار الترجمہ کے دیگر مترجمین کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے ۔انہوں نے لکھا ہے کہ دار الترجمہ دفتر کم اور دار التفریح زیادہ تھا مگر ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ دار الترجمہ سے وابستگی نے انہیں غیر معمولی علمی فائدہ پہنچایا تھا ۔وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حیدر آباد نے ان کی شاعری کو آب و رنگ بخشا اور علم و فکر کا راستہ دکھایا ۔جوش نے حیدر آباد میں گزارے ہوئے دنوں ، یادگار محفلوں ، مشاعروں ، رنگین شاموں اور احباب کی پرانی صحبتوں کو بڑے متاثر کن انداز میں یاد کیا ہے ، اس دور کے حیدر آباد کے بارے میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

> "ہائے کیا بیان کروں کہ اس وقت میرا حیدر آباد کیا چیز تھا ارزانی اور اس پر دولت کی فراوانی ۔ہر طرف ایک چہل پہل تھی ۔امراء کے دروازوں پر صبح و شام نوبت بجا کرتی تھی ۔آئے دن جلسے ، مجرے ، دعوتیں اور مشاعرے ہوتے تھے ۔"

اپنی سوانح میں "میرے چند خاص احباب" کے عنوان کے تحت بھی جوش نے حیدر آباد کے بعض واقعات بیان کیے ہیں جن سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ انہیں حیدر آباد سے گہری وابستگی تھی ۔ حیدر آباد سے جوش کی اس گہری وابستگی اور لگاؤ کا نتیجہ تھا کہ حیدر آباد سے اخراج عمل میں آنے کے بعد انہوں نے دوبارہ حیدر آباد آنے اور اپنے داخلے پر امتناع کی

برخواستگی کے لئے کوشش کی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی ان کوششوں میں سابق ریاست حیدرآباد کے خاتمے تک کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ جوش نے اپنی کتاب میں اپنی ان کوششوں اور خواہشوں کا ذکر نہیں کیا ہے جب کہ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈز سے جن میں جوش کے مکتوب بھی شامل ہیں اس بات کا واضح اور قطعی ثبوت ملتا ہے۔

جوش کے مکتوب مورخہ ۱۹ / نومبر ۱۹۴۷ء (جس کا متن آگے بیان ہوگا) سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جوش نے حیدرآباد سے اخراج کے بعد کئی باریہاں کے ارباب اقتدار سے حیدرآباد میں داخلے کی اجازت کے سلسلے میں خط و کتابت کی تھی۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں جوش کو داخلہ دینے کی اجازت کے لئے جو پہلی سرکاری کارروائی ہوئی تھی اس کی تفصیلات یہ ہیں۔ یقیناً جوش کے مکتوب یا درخواست پر ہی کارروائی کا آغاز ہوا ہوگا۔ معتمد تعلیمات نے اس بارے میں اپنے ایک نوٹ میں لکھا کہ شبیر حسین جوش ملیح آبادی کو ایک خطا پر عفو شاہانہ نصیب ہوا تھا، لیکن بعد ازاں بعض عام وجوہ کی بنا پر وہ خارج البلد کئے گئے اور نوکری سے بھی محروم ہوئے۔ اب انہیں دوبارہ سروس میں لینے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔ البتہ بروئے سابقہ احکام شاہانہ وہ اب ممالک محروسہ سرکار عالی میں آبھی نہیں سکتے جب اتنے زمانے کے بعد قائم رکھنا اب شاید ضروری تصور نہ فرمایا جائے۔ معتمد تعلیمات کے نوٹ پر صدر المہام تعلیمات نے جوش کو صرف ممالک محروسہ سرکار عالی میں داخلے کی اجازت دینے سے اتفاق کیا۔ جب یہ کارروائی باب حکومت (کابینہ) کے اجلاس منعقدہ ۲۷ / دے ۱۳۵۳ف م ۳ / دسمبر ۱۹۴۳ء میں پیش ہوئی تو یہ قرارداد منظور ہوئی "شبیر حسین خاں جوش ملیح آبادی کے متعلق بارگاہ خسروی میں سفارش کی جائے کہ اگر وہ صرف ممالک محروسہ سرکار عالی میں داخلے کی حد تک عفو شاہانہ سے سرفراز فرمائے جائیں تو موجب ترحم ہوگا۔ البتہ ان کو ان کی پچھلی روش کی بنا پر کوئی ملازمت نہیں دی جاسکے گی"۔ ایک عرض داشت میں متذکرہ بالا تمام تفصیلات درج کر کے اسے آصف سابع کے ملاحظہ اور احکام کے لئے پیش کیا گیا۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں جوش کے داخلے کے لئے عرضداشت میں جو سفارش پیش کی گئی تھی اسے آصف سابع نے نامنظور کر دیا۔ اس بارے میں آصف سابع کا جو فرمان مورخہ ۲۷ / محرم ۱۳۶۳ھ م ۲۴ / جنوری ۱۹۴۴ء صادر ہوا تھا، وہ حسب ذیل ہے۔

"زمانہ پر آشوب ہے اور اس شخص کا رویہ زمانہ گزشتہ میں کیا تھا وہ

بھی روشن ہے لہذا سابقہ حکم پر نظر ثانی نہیں ہو سکتی یعنی اس کو ممالک محروسہ میں آنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی"

عرض داشت میں کی گئی سفارش کے رد کر دیئے جانے اور ان کے خلاف فرمان صادر ہونے کی اطلاع جوش کو ملی ہو گی۔ اس لئے انہوں نے کچھ انتظار کیا اور تقریباً چار سال کی مدت گزر جانے اور ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد انہوں نے پھر ایک بار کوشش کی تھی کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ان کے داخلے پر سے امتناع برخاست کر دیا جائے تا کہ وہ دوبارہ حیدر آباد کے ماحول و فضا میں سانس لے سکیں اور اپنے احباب سے مل سکیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک مکتوب مورخہ ۹ / نومبر ۱۹۴۷ء صدر اعظم ریاست حیدر آباد کو لکھا تھا۔ اس مکتوب کا متن حسب ذیل ہے۔

"مکرمی

اس سے قبل بھی متعدد بار عرض کر چکا ہوں اور آج بھی اس خط کے ذریعے عرض کر رہا ہوں کہ حیدر آباد میں میرے داخلے کے امتناع کو براہ کرم اجازت میں تبدیل کرا کے مجھے اس کا موقع دیجئے کہ وہاں کی ان گلیوں میں پھر ایک بار گشت کر لوں جہاں میں نے اپنی جوانی کے بہترین ایام صرف کئے اور ان دوستوں سے زندگی کے آخری لمحوں میں پھر ایک بار مل کر دل ٹھنڈا کر لوں جو خوابوں میں میرا تعاقب کرتے ہیں۔

کافر ہوں جو ان دو مندرجہ بالا باتوں کے علاوہ اور کوئی تمنا رکھتا ہوں۔ ذرا سی بات ہے۔ آپ تحریک کر دیں تو بڑی آسانی سے اس حکم کی تنسیخ ہو سکتی ہے جس نے حیدر آباد کو میرے واسطے شجر ممنوع بنا رکھا ہے۔

خدا کرے کہ آپ بہمہ وجوہ مع الخیر ہوں اور یہ خط آپ کو ایسے موڈ میں ملے کہ اسی وقت آپ میرے حسب مراد کارروائی کا آغاز فرما دیں۔

آپ کا از یاد رفتہ نیاز مند

متذکرہ بالا مکتوب ۱۹ / نومبر ۱۹۴۷ء کا تحریر کردہ ہے۔ اس وقت مہدی یار جنگ ریاست حیدرآباد کے منصرم صدر اعظم تھے۔ مہدی یار جنگ جوش کے محسن اور قدردان تھے اور جوش سے ان کے مراسم دوستانہ تھے۔ یہ وہی مہدی یار جنگ ہیں جن کا تذکرہ اس مضمون کے ابتدائی حصہ میں موجود ہے۔ مہدی یار جنگ نے ہی اپنے والد عماد الملک سے جوش کا تعارف کروایا تھا۔ مہدی یار جنگ ۱۹۴۷ء میں منصرم صدر اعظم مقرر ہوئے جس کی اطلاع یقیناً جوش کو ملی ہوگی۔ اسی لئے جوش نے حیدرآباد میں داخلے پر امتناع برخاست کروانے کے لئے انہیں مذکورہ بالا خط لکھا تھا۔ جوش کے اس مکتوب پر پیشی صدر اعظم کے دفتر میں ۲۷/ نومبر ۱۹۴۷ء کو مسل پر کارروائی کا آغاز ہوا ہی تھا کہ دوسرے روز حیدرآباد میں وزارت تبدیل ہوگئی۔ مہدی یار جنگ ۲۱/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو چھ ماہ کے لئے منصرم صدر اعظم بنائے گئے تھے۔ مگر ۲۸/ نومبر ۱۹۴۷ کو انٹریم گورنمنٹ کا قیام عمل میں آیا۔ لائق علی صدر اعظم مقرر ہوئے اور مہدی یار جنگ سبکدوش کر دئے گئے۔ (ملاحظہ ہو جریدہ غیر معمولی مورخہ ۳۱ / اکتوبر ۱۹۴۷ء اور مورخہ ۲۸ / نومبر ۱۹۴۷ء) مہدی یار جنگ کے ہٹ جانے سے جوش کی درخواست کو تائید حاصل نہ ہوسکی اور ایک مراسلہ مورخہ ۲۷/ بہمن ۱۳۵۷ف م ۲۷/ دسمبر ۱۹۴۷ء منجانب معتمد باب حکومت حیدرآباد جوش کو روانہ کیا گیا جس میں اطلاع دی گئ: "افسوس ہے کہ فرامین خسروی کی روشنی میں دفترہذا مزید کارروائی کرنے سے قاصر ہے۔"

متذکرہ بالا مراسلہ موصول ہونے پر جوش نے حسب ذیل خط مورخہ ۳۱/ دسمبر ۱۹۴۷ء مددگار معتمد باب حکومت کے نام لکھا۔

"مراسلہ پہنچا۔ معلوم ہوا کہ فرمان خسروی کی روشنی میں دفترہذا مزید کارروائی کرنے سے قاصر ہے۔ چلئے بہت اچھا ہوا۔ انقلاب سے پیشتر حیدرآباد کی سیر میں لطف بھی نہ آتا۔

پیچ و تاب اس قدر اے موج عبث ہے تجھ کو
رول دیویگا نہ موتی مجھے دریا تیرا
جوش

جوش نے اسی مکتوب میں اپنے دستخط ثبت کرنے کے بعد غالب کا حسب ذیل فارسی شعر

بھی تحریر کیا۔

بیا کہ قاعدہ آسمان بگردانیم
قضا زجنبش رطل گراں بگردانیم

چنانچہ جوش نے حیدرآباد آنے کی اپنی دیرینہ خواہش اور آرزو کی تکمیل کے لئے پولیس ایکشن (ستمبر ۱۹۴۸ء) تک انتظار کیا۔اب وہ انقلاب رونما ہو چکا تھا جس کی جانب شاعر انقلاب نے اپنے مکتوب میں اشارہ کیا تھا۔حیدرآباد بدر کئے جانے کے احکام بے اثر ہو چکے تھے اور اب حیدرآباد شاعر جوش کا پرجوش استقبال کرنے کے لئے بے چینی سے منتظر تھا۔

ماخذ

1. Instalment No.81, List No.3, S.No.443

مقدمہ: طلب رائے نسبت استدعا شبیر حسین جوش

2. Instalment No.80, List No.4, S.No.62

مقدمہ: تقررات دار الترجمہ

3. Instalment No.84, List No.1, S.No.26

مقدمہ: نسبت تنبیہ جوش ملیح آبادی بنظر سوء ادبی مندرجہ مقطع نظم نعرہ جشن مطبوعہ سالگرہ نمبر اخبار منشور

4. Instalment No.77, List No.1, S.No.1553

مقدمہ : مکتوب حضرت جوش ملیح آبادی نسبت برخواستگی امتناع ودوبارہ داخلہ در ممالک محروسہ سرکار عالی

اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

HIS HIGHNESS THE NIZAM'S GOVERNMENT HYDERABAD DECCAN

H. E. H. THE NIZAM'S PESHI OFFICE.
KING KOTHI,
HYDERABAD-DECCAN.

مورخہ ۱۶ - رجب المرجب ۱۳۵۲ھ

بخدمت شریف جناب مولوی سید محمد سعید صاحب معتمد باب حکومت سرکار عالی

اخبار منشور میں جوش ملیح آبادی نے جو نظم لکھی ہے اوسکے نسبت آپکو تحریر کرنے کیلئے سرکار کا جو حکم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

" مہاراجہ بہادر سے آئے بعد جوش ملیح آبادی سے جواب لیا جائے کہ انہوں نے اخبار منشور کے سالگرہ نمبر میں جو نظم لکھی ہے جسکا عنوان نعرۂ جشن قرار دیا ہے اسکے مقطع میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں وہ سراسر رئیس کی سوء ادبی پر محمول ہوتے ہیں پس اونکو چاہئے کہ آئندہ سے ایسے حرکات سے باز رہیں ورنہ اون سے سخت بازپرس کی جائیگی جس صورت میں کہ بار دیگر ایسی غلطی ہوگی وبس "

معتمد پیشی

اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

ک ۳

۳۱

H. E. H. THE NIZAM'S PESHI OFFICE.
KING KOTHI.
HYDERABAD-DECCAN.

مورخہ ۲ - جمادی الاول ۱۳۵۲ھ

بخدمت شریف جناب مولوی سید محمد مہدی صاحب معتمد باب حکومت سرکار عالی

عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ کے ملازم شبیر حسین خان جوش ملیح آبادی کے متعلق آپ کو تحریر کرنے کیلئے سرکار کا جو حکم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

"اس شخص کو اگرچہ پیشتر متنبہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے اعمال کو درست کرے ورنہ اسکی علحدگی عمل میں آئیگی مگر افسوس ہے کہ اسکا کچھ نتیجہ اچھا نہیں نکلا بلکہ سابقہ حالات ایک حد تک ابھی باقی ہیں لہذا مناسب ہوگا کہ جس مدت کیلئے وہ یہاں ملازم تھا اوس حساب سے کچھ ماہوار بطور رعایت اسکے نام جاری کرکے (جسکی مقدار سے پہلے یہاں اطلاع دی جائے) اسکو لکھدیا جائے کہ وہ دو ہفتہ میں یہاں سے خاموشی سے وطن چلا جائے اور بغیر اجازت پھر یہاں آنے کا قصد نہ کرے" [illegible]

[illegible]

معتمد پیشی

نقل بدار الانشاء سرکار ... [illegible]

نقل فرمان مبارک اعلیٰحضرت قدر قدرت حضور پرنور بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

ملاحظہ :- عرضداشت ضمیمہ تعلیمات محررہ ۲ - محرم الحرام سنہ ۱۳۶۳ ہجری جو شبیر حسین خان جوش ملیح آبادی کو حیدر آباد آنے کی اجازت دینے کی نسبت ہے -

حکم :- زمانہ پُر آشوب ہے - اور اس شخص کا رویہ زمانہ گزشتہ میں کیا تھا وہ بھی روشن ہے - لہذا سابقہ حکم پر نظر ثانی نہیں ہو سکتی یعنے اسکو ممالک محروسہ میں آنے کی اجازت نہیں دیجاسکتی - (مثبتہ دستخط مبارک)

۲۷ - محرم الحرام سنہ ۱۳۶۳ ہجری

مثبتہ دستخط

(عالیجناب نواب صدر اعظم بہادر)

بنقل مطابق اصل

معتمد

7, Sikri Bhawan,
96, Walkeshwar Road
Bombay (6)

غالباً 17 ہم

مکرمی، اس سے قبل بھی متعدد بار عرض کر چکا ہوں، اور آج بھی اس خط کے ذریعے عرض کر رہا ہوں کہ حیدرآباد میں میرے داخلے کے امتناع کو، براہِ کرم، اجازت میں تبدیل کرا کے مجھے اس کا موقع دیجیے کہ میں ان گلیوں میں پھر ایک بار گشت کر لوں، جہاں میں نے اپنی جوانی کے بہترین ایام صرف کیے، اور ان دوستوں سے، زندگی کے ان آخری لمحوں میں، پھر ایک بار مل کر دل ٹھنڈا کر لوں جو خوابوں میں میرا تعاقب کیا کرتے ہیں۔

کا غرض مجھ بجز ان دو مندرجہ بالا باتوں کے علاوہ اور کوئی تمنا رکھتا ہوں۔ ذرا سی بات ہے، آپ تحریک کر دیں تو بڑی آسانی سے اس حکم کی تنسیخ ہو سکتی ہے، جس نے حیدرآباد کو میرے واسطے شجرِ ممنوع بنا رکھا ہے۔

خدا کرے آپ بہمہ وجوہ مع الخیر ہوں۔ اور یہ خط آپ کو ایسے موڈ میں ملے کہ اس وقت آپ میرے حسبِ مراد کارروائی کا آغاز فرما دیں۔

آپ کا از یاد رفتہ نیاز مند

جوش

ان صاحب کے متعلق کارروائی کی مثل مع نوٹ پیش ہو

[signature] 22/[illegible]/57

انکی مثل جلد پیش ہو۔ اگر وہ قدیم مسل ہے تو قدیمی عدالت سے طلب کر لی جائے

[signature]

جوش ملیح آبادی دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ میں

حکومت ریاست حیدر آباد کی جانب سے ریاست کی ضرورتوں کے لحاظ سے بیرون ریاست سے قابل اور لائق افراد کو طلب کرنے کا سلسلہ سالار جنگ اول کے دور سے شروع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بڑی تعداد میں بیرونی مشاہیر از خود حصول ملازمت کے لئے حیدر آباد آئے۔ مشاہیر کو حیدر آباد طلب کرنے اور ان کا از خود حیدر آباد آنے کا سلسلہ تقریباً ریاست حیدر آباد کے خاتمے تک جاری رہا۔ تلاش روزگار میں حیدر آباد آنے والے اردو کے چند بے حد اہم اور نمائندہ شاعروں میں جوش ملیح آبادی بھی شامل تھے۔ جوش نے اپنی عمر کے لگ بھگ ساڑھے دس سال حیدر آباد میں گزارے۔ یہ جوش کی زندگی کے بہترین ایام تھے۔ حیدر آباد میں ان کی تخلیقی اور فن کارانہ صلاحیتوں کی قدر کرنے والوں اور انہیں ٹوٹ کر چاہنے والے دوستوں کی کمی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جوش حیدر آباد سے گہری وابستگی اور لگاؤ رکھتے تھے۔

جوش ۱۹۲۴ء کے اوائل میں حیدر آباد آئے تھے۔ وہ سال حصول ملازمت کی نذر ہوا۔ وہ یکم جنوری ۱۹۲۵ء کو دار الترجمے میں رجوع خدمت ہوئے جہاں وہ ابتدا میں مترجم کی خدمت پر ایک سال ۸ ماہ ۱۳ یوم اور پھر ناظر ادبی کی خدمت پر ۷ سال ۱۱ ماہ ۱۵ یوم فائز رہے۔ اس طرح دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ میں ان کی مکمل مدت ملازمت ۹ سال ۷ ماہ ۲۸ یوم اور حیدر آباد میں ان کا قیام لگ بھگ ساڑھے دس سال رہا۔ (تفصیلات کے لئے اس کتاب میں شامل مضمون "جوش ملیح آبادی اور حیدر آباد" ملاحظہ ہو)

حکمرانِ ریاست کے عتاب پر جوش کو حیدر آباد چھوڑنا پڑا تھا لیکن حیدر آباد کی یادوں نے کبھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ حیدر آباد کی ان گلیوں میں جہاں انہوں نے اپنی جوانی کے بہترین ایام صرف کئے تھے ان میں گشت کرنے کی تمنا ان دوستوں سے جو خوابوں میں ان کا تعاقب کرتے تھے ان سے مل کر دل ٹھنڈا کرنے کی خواہش ان کے دل میں ہمیشہ تازہ اور جوان رہی۔

جوش حیدر آباد کو یاد کرتے ہوئے "یادوں کی برات" میں لکھتے ہیں "ہائے کن کن باتوں کا ذکر کروں، حافظے کا سر سفید ہو چکا ہے اور پرانی صحبتیں کجلا چکی ہیں۔ اب شام کے وقت کراچی میں جب اپنے مکان کے کھلے ہوئے مغربی چھجے میں شمالی ناظم آباد کی دور کی روشنیوں کے سامنے تنہا پینے بیٹھتا ہوں تو انسان کی رنگ رلیوں کو دیکھ کر انگاروں پر لوٹنے والی مشیت میری زمانہ ماضی کی سرخوشیوں کی سزا دینے پر کمربستہ ہو کر میرے بیتے دنوں کو حکم دیتی ہے کہ وہ میرا تعاقب کرنے لگیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حیدر آباد کی راتوں کی براتوں کے جلوس، گم کردہ لمحوں اور گہنائے ہوئے مکھڑوں کے دردانگیز جلوس دامن شفق کو پھاڑ کر باہر نکل آتے ہیں اور غلغلے مچانے والے یاروں کے چہرے اور آغوش میں مچلنے والے دلداروں کے مکھڑے، فضا پہ تیرنے لگتے ہیں اور میری پیاسی نظریں جب انہیں پکڑ لینے کے واسطے دوڑتی ہیں تو وہ دریائے شفق میں غوطہ لگا کر میری آنکھوں سے پل بھر میں اوجھل ہو جاتے ہیں اور ایک سوگوار دھواں میرے سر پر منڈلانے لگتا ہے" حیدر آباد کی دوسری یادوں کے علاوہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ اور وہاں کام کرنے والے مشاہیر علم وادب کی صحبتوں کی یادیں بھی ہمیشہ جوش کے ساتھ رہیں۔

دارالترجمے میں جوش کی سرگرمیوں، وہاں کام کرنے والے چند اہم افراد سے جوش کے مراسم اور مفوضہ فرائض کی انجام دہی کے بارے میں جوش کی خود نوشت "یادوں کی برات" کے علاوہ دیگر چند مضامین سے دلچسپ اور اہم معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ یہ مضامین جوش کے عزیز اور قریبی دوستوں سید معین الدین قریشی، محمد حبیب اللہ رشدی اور تمکین کاظمی کے تحریر کردہ ہیں۔ ان مضمون نگار حضرات کو دارالترجمے میں جوش کو کام کرتے ہوئے اور دیگر دلچسپیوں میں وقت گزارتے ہوئے دیکھنے کے کافی موقع ملے تھے۔

جوش نے یادوں کی برات میں لکھا ہے کہ " دارالترجمہ دفتر کم اور دارالتفریح زیادہ تھا جہاں جوش اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ ہر روز مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے بردار بزرگ مولوی ابوالخیر مودودی کے علاوہ سید ہاشمی فرید آبادی کے کمرے میں جمع ہو کر گپیں اڑاتے اور شاعری کیا کرتے تھے۔ دارالترجمے میں مولانا عبداللہ عمادی، مولوی ابوالخیر مودودی، مولوی ہاشمی فرید آبادی اور مرزا محمد ہادی رسوا سے جوش کے خاص تعلقات تھے۔ جوش نے مولانا عبداللہ عمادی کو فارسی اور عربی کا ہفت قلزم لکھا ہے۔ جوش لکھتے ہیں کہ حیدر آباد آنے سے

قبل رسوا ان کو پڑھایا کرتے تھے اور حیدر آباد آنے کے بعد جوش ان سے شاعری کے علاوہ انگریزی ادب اور فلسفہ کا بھی باقاعدہ درس لینے لگے۔ان دنوں جوش روز رات کے گیارہ بجے تک اردو، فارسی، انگریزی ادب اور فلسفے کا بلاناغہ مطالعہ کرتے تھے۔

جوش کے بیان کے مطابق انہیں بیکن کی سوانح عمری کے ترجمے کا کام تفویض کیا گیا تھا جب کہ وہ دارالترجمے میں مترجم کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔دارالترجمے کی مطبوعات کی فہرست میں یہ سوانح عمری شامل نہیں ہے۔جوش نے یا تو بیکن کی سوانح عمری کا ترجمہ مکمل نہیں کیا تھا یا کسی اور وجہ سے وہ سوانح عمری شائع نہیں کی گئی۔

تمکین کاظمی اپنے مضمون "جوش میری نظر میں" میں لکھتے ہیں کہ جوش ناظر ادبی کی حیثیت سے کامل توجہ، پوری ذمہ داری اور نہایت ہی دلچسپی سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ دارالترجمے میں عبداللہ عمادی، مولوی عنایت اللہ، قاضی تلمذ حسین وغیرہ ہی ایسے مترجمین تھے جن کے ترجمے نظرثانی کے محتاج نہ تھے ورنہ بیشتر حضرات کا یہ حال تھا کہ ایک ایک سطر میں چار چار غلطیاں کرتے تھے۔جوش نے ایسے مترجمین کو تعلیم یافتہ و سند یافتہ جہلا کا خطاب دیا تھا۔جوش جن مترجمین کی غلطیاں نکالتے انہیں اپنے پاس بلوا کر، چائے سے تواضع کرتے ہوئے ان کی غلطیاں ان پر واضح کر دیتے اور اصلاح شدہ حصہ انہیں دکھا بھی دیتے جسے دیکھ کر وہ لوگ پھڑک جاتے اور جوش کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ تمکین کاظمی ان دنوں جوش سے دارالترجمے کے دفتر پر زیادہ ملتے تھے۔وہ دیکھتے تھے کہ جوش بڑے انہماک اور پوری توجہ سے اس کام کو انجام دیتے تھے اور نہایت عرق ریزی سے ترجموں کو درست کرتے رہتے تھے۔ان کا خیال ہے کہ جوش نے جس محنت اور سلیقے سے ترجموں پر نظرثانی کی اور ان کے مفہوم کو برقرار رکھ کر زبان درست کی ہے یہ ہر کس و ناکس کا کام نہ تھا۔تمکین کاظمی نے اپنے مضمون میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ جوش کے اس سنہرے کارنامے کو کسی نے بھی نہیں سراہا اور خود جوش نے بھی کبھی اس پر غور نہیں کیا۔تمکین کاظمی کی نظر میں جوش کا یہ کارنامہ نہایت ہی اہم اور بڑا عظیم الشان ہے۔

محمد حبیب اللہ رشدی نے اپنے مضمون "جوش حیدر آباد دکن میں" میں لکھا ہے کہ جوش کو ایسے زمانے میں جب کہ ان کی شاعری بہار پر آرہی تھی اگر دارالترجمے سے وابستہ ہونے کا موقع نہ ملتا تو شاید ان کی شاعری کا وہ رنگ نہ ہوتا جواب ہے۔خود جوش معترف ہیں

کہ دار الترجمے سے وابستگی ان کے لئے بہت سود مند رہی ۔ وہ لکھتے ہیں " میری یہ بڑی نمک حرامی ہوگی اگر میں اس بات کا اعتراف نہ کروں کہ شعبہ دار الترجمے کی وابستگی نے مجھ کو بے حد علمی فائدہ پہنچایا اور خصوصیت کے ساتھ علامہ عمادی ، علامہ طباطبائی اور مرزا ہادی رسوا کے فیضان صحبت نے مجھ بے سواد آدمی کو میرے جہل پر مطلع کر کے مجھ کو ذوق مطالعہ پر مامور کر دیا اور صحت الفاظ و نجابت لہجے کا جو پودا میرے باپ اور میری دادی نے میری وجود کی سرزمین پر لگایا تھا اگر طباطبائی ، مرزا محمد ہادی رسوا اور عمادی کی مسلسل دس برس کی ہم نشینی کا مجھ کو موقع نہ ملتا تو وہ پودا کبھی شاداب اور برآور نہ ہوتا ۔"

دار الترجمے میں جوش کی سرگرمیوں کے بارے میں سید معین الدین قریشی کے مضمون "جوش حیدر آباد میں سترہ برس بعد" سے چند حوالے دینے سے قبل دو جملوں میں قریشی صاحب کا تعارف کروانا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ معین الدین قریشی جوش کے بہت بے تکلف اور قریبی دوست تھے ۔ جوش کے ایک اور قریبی دوست محمد حبیب اللہ رشدی کے الفاظ میں " معین الدین قریشی عثمانیہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ میں پہلے شخص تھے جنہوں نے جوش کے کمال شاعری کو پہچانا ۔ عثمانیہ یونیورسٹی نے قریشی کا سا دوسرا طالب علم پیدا نہیں کیا ۔ وہ جوش کے ایسے پرستار تھے کہ اب تک جوش کے احباب میں ان کا ثانی مجھے نظر نہیں آیا ۔"

معین الدین قریشی متذکرہ بالا مضمون میں لکھتے ہیں " دار الترجمے میں سب سے دلچسپ اور کام کی بیٹھک مولانا عمادی کے کمرے میں ہوتی تھی ۔ یہاں علم تھا اور دبی ہوئی بذلہ سنجی ، جس پر سنجیدگی کے پردے پڑے ہوتے ۔ جوش ان پردوں کو ہٹاتے ۔ خالص علمی اور ادبی مسائل میں جو باریکیاں ، لطافتیں ، نزاکتیں اور شرارتیں شامل ہوتی تھیں اس کے ذمہ دار جوش تھے ۔ مولانا عمادی میں یہ بات خاص تھی کہ وہ کسی لطیف شوخی یا پھبتی کا دل سے خیر مقدم کرتے اور ایک بے اختیار ہنسی اور برجستہ قہقہے کو اس طرح روکنے کی کوشش کرتے تھے جس طرح ایک سچا عالم اپنے علم کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے ۔ وہ جواب تو دیتے تھے لیکن کبھی وہ ضرر رساں نہ ہوتا ۔ زیادہ تر داد ہوتی تھی اور سچے دل سے جس میں ان کے دل کی لذت سب کو محسوس ہوتی تھی ۔ جوش نے ہنسی ہنسی میں ان سے بہت کچھ سیکھا اور حاصل کیا اور جب کبھی یہ وہ کہتے کہ دکن سے چند دوستوں کے علاوہ میں نے علم کا ذوق پایا ہے تو میرا منتشر خیال مولانا عمادی پر مرتکز ہو جاتا ہے " معین الدین قریشی آگے لکھتے ہیں کہ دار الترجمے کا ایک اور

گوشہ جو جوش کی توجہ اور محبت کا مرکز تھا وہ مرزا محمد ہادی رسوا کا کمرہ تھا۔ اپنے مضمون میں معین قریشی جامعہ عثمانیہ میں اصطلاح سازی کے کام کے بارے میں تحریر کرتے ہیں "اصطلاحات بنانے کے لیے جامعہ عثمانیہ کے علماء کی کمیٹیاں مہینہ میں کئی بار ہوا کرتی تھیں۔ ان کمیٹیوں میں دو مکاتیب خیال کے لوگ تھے۔ ایک جماعت جدت پسند حضرات کی تھی جس کے سرگروہ مولوی وحید الدین سلیم تھے۔ دوسرا طبقہ قدامت پسند حضرات کا تھا۔ جس کے ممتاز افراد علامہ علی حیدر طباطبائی، مولانا عمادی اور مرزا محمد ہادی رسوا تھے۔ مولوی وحید الدین سلیم نے جس اوریجنل انداز سے اس پہلو پر سوچا تھا اور تحقیق کی تھی اس کی نظیر نہیں، اور فطری اور عملی طور پر جامعہ عثمانیہ کے وجود کو ممکن اور قابل عمل بنانے میں مولانا سلیم نے جو حصہ لیا وہ ان ہی کا حق تھا۔ مولانا سلیم نے مولوی عبدالحق کے کہنے پر اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب "وضع اصطلاحات" کے نام سے لکھی تھی۔ اردو زبان میں اس فن پر یہ اپنی نوعیت کا بے مثل کارنامہ ہے۔ اصطلاح سازی کے آریائی زبانوں میں جو اصول ہیں مولانا سلیم نے ان کی بڑی تحقیق کی اور اپنا ایک طبع زاد نظریہ ملک کے سامنے پیش کیا تھا۔ ان کا کمال یہ تھا کہ وہ اپنے اصولوں کی بنیاد پر کسی کدو کاوش کے بغیر بڑی تیزی سے اصطلاحیں ڈھلتے جاتے تھے۔ ان کا دماغ خود ٹکسال تھا۔" اس کے بعد معین الدین قریشی اصطلاحات کے بارے میں جوش کے رجحانات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں " اصطلاحات کے معاملے میں جوش اس زمانے میں قدامت پسند طبقہ کی طرف مائل نظر آئے اور ظاہر ہے کہ یہ ۔۔۔ زیادہ تر مولانا عمادی کا اثر تھا۔ اب میں نے جوش کو اس مسلک سے بہت کچھ ہٹا ہوا پایا۔ شاعر انقلاب اب کچھ انقلاب زبان کا بھی قائل نظر آتا ہے۔"

جوش کا ۱۹۳۴ء میں حیدر آباد سے اخراج عمل میں آیا تھا اور انہیں ریاست حیدر آباد کے خاتمے تک حیدر آباد آنے کی اجازت نہیں ملی تھی چنانچہ وہ ۱۹۵۱ء میں دوبارہ حیدر آباد آئے۔ اس دورۂ حیدر آباد کے موقع پر شہر کی سڑکوں سے گذرتے ہوئے اکثر عمارتوں اور مکانوں کو دیکھ کر وہ پرانی یادوں میں گم ہو گئے۔ دارالترجمے کی قدیم عمارت کے نظر آنے پر جوش کے جو تاثرات تھے اس بارے میں معین الدین قریشی لکھتے ہیں۔

"یہ تھا دارالترجمہ جہاں جوش کی زندگی بکھری بھی اور نکھری بھی۔ جب کئی سال بعد جوش پہلی بار حیدر آباد آئے تو انہوں نے اس عمارت کو بہت غور سے دیکھا جس میں

دارالترجمہ تھا اور جہاں اب رائل ہوٹل ہے۔جوش کے انداز نگاہ سے یہ محسوس ہوا کہ وہ اس پوری زندگی کو جو اس عمارت میں جذب ہے اب اپنے آپ میں جذب کرنا چاہتا ہے"

حیدرآباد اور دارالترجمے سے اردو کے اس بلند مرتبت شاعر کی وابستگیوں کے صرف چند یادوں کے تذکروں سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وابستگیاں کتنی پرجوش اور کتنی بھرپور تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جوش ملیح آبادی کی شخصیت کی تشکیل اور ان کی فکر و فن کے ارتقاء سے ان وابستگیوں کا بہت گہرا اور اٹوٹ تعلق ہے۔حیدرآباد نے جوش کی زندگی کے اس اہم مرحلے پر ان کی مدد اور سرپرستی ہی نہیں کی بلکہ شبیر حسین خان کو اردو زبان و ادب کی ایک نمائندہ شخصیت جوش ملیح آبادی بنانے میں بھی کلیدی حصہ ادا کیا۔

ماخذ

اس مضمون کی تیاری میں حسب ذیل مضامین سے استفادہ کیا گیا۔

۱) "جوش حیدرآباد میں سترہ برس بعد" از معین الدین قریشی، شائع شدہ ماہنامہ صبا، حیدرآباد، اگسٹ سپٹمبر ۱۹۶۶ء

۲) "جوش حیدرآباد دکن میں" از محمد حبیب اللہ رشدی، شائع شدہ افکار جوش نمبر، دوسرا ایڈیشن

۳) "جوش میری نظر میں" از تمکین کاظمی، شائع شدہ افکار جوش نمبر، دوسرا ایڈیشن

مذکورہ بالا مضامین کے علاوہ آرکائیوز کی حسب ذیل مسلوں سے بھی مدد لی گئی۔

1) Instalment No.81, List No.3, S.No. 443

مقدمہ:۔ طلب رائے نسبت استدعا شبیر حسین جوش

2) Instalment No.80, List No.4, S.No. 62

مقدمہ:۔ تقررات دارالترجمہ

کنگ کوٹھی

فرمان

عماد الملک بہادر کی عرضی کے ساتھ شبیر حسین جوش کے دو کتابیں جو گزرانے گئے مرسل ہیں۔ اور اسبارہ میں مسٹر حیدری نے جو خط لکھا ہے ملفوف ہے۔ آخر عرضی گزار کا عندیہ کیا ہے معلوم کیا جائے۔ اور صیغہ متعلقہ سے کیفیت و رائے عرض کی جائے کہ شبیر حسین کو عثمانیہ یونیورسٹی میں کوئی جگہ مل سکتی ہے یا کیا

۲۸ شوال المکرم ۱۳۴۲ھ۔ دو شنبہ

کنگ کوٹھی

خانگی

فرمان

بملاحظہ:- عرضداشت صیغۂ عدالت معروضہ ۱۲۔ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۳ھ جوش شبیر حسن جوش ملیح آبادی اور ترجمۂ معاشیات کے نسبت ہے۔

حکم:- جوش ملیح آبادی کو انگلش لٹریچر کے کتب کا ترجمہ کرنے کیلئے امتحاناً دو سال کیلئے (ڈھائی سو روپیہ ماہوار) کی جگہ دیجائے۔ مگر پہلے اون سے استمزاج کیا جائے کہ آیا وہ اس آفر کو منظور کرتے ہیں یا نہیں۔ اور اون سے یہہ بھی لکھدیا جائے کہ اگر یہہ اونکو منظور نہیں ہے تو اس سے بڑھکر اونکے حق مین کچھہ نہیں ہو سکتا۔ کارروائی داخل دفتر کردی جائے گی۔

جونکہ معاشیات کے ترجمہ کے متعلق تقرر طلب ہے اوس پر کسی دوسرے ملکی شخص کا تقرر عمل مین آنا چاہئے بعوض کیقباد کے۔ دو تین نام پیش کرکے منظوری حاصل کی جائے۔

۲۸۔ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۳ھ۔ پنجشنبہ

نواب عماد الملک کا ترجمہ قرآن مجید

نواب عماد الملک بہادر کی ہمہ پہلو شخصیت حیدر آباد کی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ وہ ریاست حیدر آباد کی ایک عظیم شخصیت ہی نہیں تھے بلکہ تاریخ ساز شخصیت بھی تھے۔ سالار جنگ اول کے طلب کرنے پر وہ ۱۸۷۳ء میں حیدر آباد آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ سالار جنگ اول کے انتقال تک عماد الملک ان کے پرسنل اسسٹنٹ اور پرائیوٹ سکریٹری کے طور پر کام کرتے رہے۔ اس کے علاوہ وہ نواب میر محبوب علی خان آصف سادس کے پرائیوٹ سکریٹری اور سالار جنگ سوم کے دور مدار المہامی میں ان کے مشیر بھی مقرر کئے گئے تھے۔ ریاست حیدر آباد میں عماد الملک کو اونچے عہدے مل سکتے تھے لیکن ان کی دلچسپی اور خواہش پر انہیں محکمہ تعلیمات میں رکھا گیا اور وہ عرصہ دراز تک دیگر خدمات کے علاوہ بلا کسی وقفے کے محکمہ تعلیمات کی معتمدی اور نظامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ریاست حیدر آباد میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز اور اس کی توسیع اور اشاعت ان ہی کی کوششوں کی رہین منت ہے۔ عماد الملک کو ان کی اعلیٰ قابلیت اور صلاحیتوں کے باعث انڈین لیجسلٹیو کونسل اور انڈیا کونسل کا ممبر بھی منتخب کیا گیا تھا۔ عماد الملک ماہر نظم و نسق اور ماہر تعلیم ہونے کے علاوہ ایک عالم، ادیب، محقق، مترجم اور دانشور بھی تھے۔ ان کے علمی ذوق، کتابوں سے محبت اور علم و ادب کی سرپرستی کے چرچے آج بھی سننے میں آتے ہیں۔ علم و ادب سے محبت اور لگاؤ کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہر اچھے علمی و ادبی کام کی تکمیل میں دلچسپی لیتے تھے خود مالی اعانت کرتے تھے اور سفارش کر کے دوسروں سے اور حکومت سے بھی مالی امداد دلواتے تھے۔

نواب عماد الملک بہادر اپنی سرکاری ملازمت اور دیگر اہم ذمہ داریوں اور مصروفیات کے باعث تصنیف و تالیف کے لئے زیادہ وقت نہ دے سکے۔ تاہم

Memoirs of Sir Salar Jung,

Historical & Descriptive Sketch of H.H. The Nizam,s Dominion,

انگریزی مضامین، مقالات، خطبات اور نظموں کا مجموعہ، اردو مضامین، مقالات اور خطبات کا مجموعہ "رسائل عماد الملک" اور قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ...... یہ تمام تصانیف ان کی یادگار

ہیں ۔ان میں ان کا انگریزی ترجمہ قرآن مجید سب سے اہم اور قابل قدر کام سمجھا جاتا ہے جسے انہوں نے نہایت محققانہ اور عالمانہ کدو کاوش سے کیا تھا۔ اس مضمون میں آندھرا پردیش آرکائیوز کے ریکارڈز کے مواد کی بنیاد پر عماد الملک کے عظیم کارنامے ترجمہ قران مجید سے واقف کروانے کی کوشش کی جارہی ہے جو اب تک اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ علمی دنیا کے علم میں نہیں ہے۔

نواب عماد الملک کو قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کے کام سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ انہوں نے ۱۹۱۰ء میں اس کام کا آغاز کیا اور تقریباً دو سال تک وہ یہ کام تنہا انجام دیتے رہے۔ انہیں اس کام کو تیزی سے آگے بڑھانے میں دقت پیش آرہی تھی کیونکہ اس کام میں ان کا کوئی معاون ومددگار نہ تھا چنانچہ انہوں نے حکومت ریاست حیدرآباد کے نام ایک مددگار کے لئے مالی امداد منظور کرنے کے لئے درخواست پیش کی۔ بعد ازاں ایک اور درخواست کے ذریعہ انہوں نے بغیر کسی پابندی اور رکاوٹ کے رقمی امداد جاری کرنے کی استدعا کی۔ ان کی درخواست پر امداد کے لئے فوراً منظوری دی گئی۔ عماد الملک کی ان درخواستوں اور ان پر حکومت کی جانب سے کی گئی کارروائی کے خلاصے کے مطالعے سے نہ صرف عماد الملک کے ترجمے کی خصوصیات ظاہر ہوتی ہیں بلکہ ان کی شخصیت کے چند اہم پہلوؤں اور حکومت کی نظر میں ان کے بلند مقام کا بھی بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

عماد الملک نے اپنی درخواست مورخہ ۲۲ فبروری ۱۹۱۲ء میں لکھا تھا کہ کوئی دو سال یا اس سے زیادہ عرصے سے وہ کلام مجید کا انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں۔اس عرصے میں یہ کام علالت، سفر اور دیگر اسباب کی وجہ سے ملتوی بھی رہا۔جہاں تک وہ واقف ہیں قرآن مجید کے انگریزی زبان میں صرف تین ترجمے ہیں جن میں سے ایک ترجمہ بھی صحیح نہیں ہے۔اس کے علاوہ ان ترجموں میں محاورات وغیرہ کی بہت سی غلطیاں موجود ہیں۔صرف راڈول کا ترجمہ ایک حد تک اس عیب سے پاک ہے۔انگریزی ترجموں کے علاوہ فرانسیسی میں ایک اور جرمن زبان میں دو ترجمے ہیں۔جرمن زبان کا ایک ترجمہ قرآن مجید کی اتباع میں مسجع عبارت میں کیا گیا ہے۔ عماد الملک نے اپنے ترجمے کے بارے میں لکھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا ترجمہ لفظ بہ لفظ ہو اور زبان بھی حتی الامکان شستہ اور آراستہ ہو۔ثقیل الفاظ نیز لاطینی و یونانی زبانوں کے الفاظ سے احتراز کیا جائے۔انہوں نے قرآن مجید کی چند سورتوں کا اپنا انگریزی ترجمہ انگلستان کے عربی زبان کے تین مشہور اساتذہ کو دکھایا تھا جنہوں نے ترجمے کو پڑھ کر بہت تعریف کی تھی اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ان کے ترجمے کو تمام سابق تراجم پر فوقیت حاصل رہے گی۔عماد الملک نے

اپنی درخواست مین بتایا کہ وہ اس وقت تک چھ سورتوں کا ترجمہ کر چکے ہیں اور اب ساتویں سورت کا ترجمہ کر رہے ہیں لیکن اس کام میں جو وقت پیش آرہی ہے اس کے پیش نظر بعض اوقات ان کو مایوسی ہوتی ہے کہ وہ شاید اس کام کو پورا نہ کر سکیں ۔اس کام کی دقتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ عربی زبان کے لحاظ سے ان کو عربی لغات، تفاسیر قرآنی اور وہ کتابیں جو قرآن شریف کے معانی و مطالب پر روشنی ڈالتی ہیں دیکھنی پڑتی ہیں ۔انہوں نے ایسی متعدد بیش قیمت کتابیں خریدی ہیں اور ابھی بعض کتابوں کی ضرورت ہے جنہیں وہ خرید لیں گے ۔اس کے علاوہ انہیں انگریزی کے بڑے بڑے لغات، انجیل اور اس کی تعلیمات سے متعلق کتابیں بھی درکار ہیں ۔عماد الملک نے یہ لکھا کہ ان کو اس کام میں ایک مددگار کی ضرورت ہے جس میں انگریزی کتابوں سے استفادے کی لیاقت نہ بھی ہو تو نہ سہی لیکن اگر وہ ان کو عربی کتابیں دیکھنے کی محنت سے نجات دلائے تو ان کو بہت اطمینان ہوگا ۔انہوں نے استدعا کی کہ آصف سابع ایک مددگار کے لئے ڈیڑھ سو تا دو سو روپے ماہوار منظور فرمائیں ۔انہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ وہ اپنے کام کے لئے کسی صلے یا معاوضے کے خواہاں نہیں ہیں اور نہ وہ کوئی ایسا اقرار نامہ لکھنے پر آمادہ ہیں جس سے ان کی آزادی میں خلل پڑے ۔انہیں اس کام سے عشق ہونے کی وجہ سے وہ اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حتی الامکان سرعت اور مسرت کے ساتھ اس کام کو انجام دینے کی کوشش کریں گے اور انہیں توقع ہے کہ اگر ان کی صحت اور دیگر حالات اجازت دیں تو وہ اس کام کو اٹھارہ مہینوں یا زیادہ سے زیادہ دو سال میں مکمل کر لیں گے ۔مسٹر گلانسی، صدر المہام (وزیر) فینانس نے عماد الملک کی درخواست پر یہ رائے دی کہ نواب عماد الملک بہادر کو عربی اور انگریزی کے عالم و ادیب کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل ہے اور اس لحاظ سے ان کا خیال ہے کہ یہ ترجمہ اس ریاست کی شہرت اور نیک نامی کا باعث ہوگا ۔لہذا انہیں یہ رائے دیتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ عماد الملک بہادر کو دو سال کے لئے ایک مددگار دیا جائے جس کی تنخواہ ڈیڑھ سو روپے تا دو سو روپے ماہانہ ہوگی ۔مہاراجا کشن پرشاد مدار المہام (صدر اعظم) نے صدر المہام فینانس کی رائے سے اتفاق کیا ۔آصف سابع نے ان سفارشات کی روشنی میں فرمان مورخہ ۷ مئی ۱۹۱۲ء کے ذریعہ حکم دیا کہ عماد الملک کو کلام مجید کے انگریزی ترجمے کے لئے ایک مددگار جسکی تنخواہ ڈیڑھ سو دو سو روپے ماہانہ تک ہو دو سال کے لئے دیا جائے ۔اس فرمان کے جاری ہونے پر محکمہ فنیانس کی جانب سے صدر محاسب کے نام ضروری ہدایات جاری کر دی گئیں ۔عماد الملک نے نظامت تعلیمات کو لکھا کہ فی الوقت انہیں صرف ایک سو پچیس روپے ماہانہ کی

ضرورت ہے اور یہ رقم ہر ماہ صدر محاسبی سے طلب کر کے ان کے پاس روانہ کی جائے۔
نظامت تعلیمات کی جانب سے اس سلسلے میں برآورد روانہ کرنے پر صدر محاسبی نے اسے اس اعتراض کیساتھ واپس کر دیا کہ برآورد نام کے ساتھ آنی چاہیے، بغیر نام کے رقم جاری نہیں ہو سکتی۔ اس اعتراض کے ساتھ یہ ہدایت دی گئی کہ برآورد میں مددگار کا نام درج کر کے روانہ کیا جائے۔ اس اعتراض کے بارے میں عماد الملک نے جواب دیا کہ آصف سابع نے اپنی عنایت سے جو رقم قرآن مجید کے ترجمے کے لئے منظور کی ہے وہ محض مددگار کی تنخواہ میں صرف نہیں ہوگی بلکہ مددگار کی تنخواہ کے علاوہ کتابوں کی خریدی اور پروف کی طباعت وغیرہ میں بھی صرف ہوتی رہے گی کیونکہ انگریزی ترجمے کو نظرثانی، تصحیح واصلاح کے لئے چھپوانا ضروری ہے اور اس میں قابل لحاظ رقم صرف ہوتی ہے۔ وہ ان اخراجات کو منظورہ امداد سے پورا کرنا چاہتے ہیں تاکہ کسی دوسرے سے مدد کی درخواست کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس کام میں اخراجات ایسے متفرق اور غیر معین ہیں کہ وہ ان اخراجات کا باقاعدہ حساب پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے امداد کے لئے جو درخواست دی تھی اس میں یہ لکھ دیا تھا کہ اگر امداد بلاشرط منظور نہ ہو تو اس کے قبول کرنے میں ان کو تامل ہوگا۔ انہوں نے اس بات کی صراحت کی کہ وہ اس قدر ذمہ داری لے سکتے ہیں کہ اس امداد میں سے ایک پیسہ بھی سوائے قرآن شریف کے ترجمے کے کسی اور کام میں صرف نہ ہوگا۔ انہوں نے استدعا کی کہ مددگار کے نام و تفصیلی اخراجات کی پابندی کے بغیر اندرون منظورہ امداد جس قدر رقم وہ طلب کریں اس کی اجرائی کے لئے صدر محاسبی کو ہدایت دی جائے۔ عماد الملک کی درخواست پر محکمہ فینانس سے صدر محاسبی کے نام ہدایت جاری کر دی گئی مگر اس سلسلے میں آصف سابع سے صراحت کے ساتھ احکام حاصل کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ساری کارروائی ان کے ملاحظے اور احکام کے لئے پیش ہوئی اور آصف سابع نے فرمان مورخہ ۸ اکٹوبر ۱۹۱۲ء کے ذریعہ یہ احکام جاری کئے کہ "ہر ماہ اندرون دو سو روپے جس قدر رقم عماد الملک بہادر طلب کریں وہ بلا کسی قید و حساب کے ادا کر دیں"۔

حکیم عبدالقوی ایڈیٹر صدق جدید (لکھنو) کے مضمون "نواب عماد الملک بہادر اور ان کا انگریزی ترجمۂ قرآن"، مطبوعہ روزنامہ سیاست مورخہ ۳ جنوری ۱۹۸۸ء سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عماد الملک نے ترجمے کے کام کا کب آغاز کیا تھا اور اس کام میں انہیں کن حضرات کا تعاون حاصل تھا۔ حکیم عبدالقوی لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۰ء میں مولانا شبلی نعمانی نے قرآن مجید کے ایک مستند انگریزی ترجمے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ اس کام کے لئے نواب عماد الملک کو

سب سے زیادہ اہل سمجھا گیا تھا۔ جب عماد الملک سے اس کام کو ہاتھ میں لینے کی استدعا کی گئی تو انہوں نے ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ وہ اس کام کا آغاز کر چکے ہیں اور روزانہ چار گھنٹے اس کام پر صرف کرتے ہیں ۔ مولانا شبلی نعمانی کے مشورے پر عماد الملک نے اپنے ترجمے کے مسودے کے اجزاء قسط وار مولانا شبلی نعمانی کے پاس بھیجنا شروع کئے تاکہ اس ترجمے کے بارے میں محققین اور علماء کی رائے حاصل کی جاسکے ۔ ترجمے کے کام کے سلسلے میں عماد الملک اور شبلی نعمانی میں مراسلت کا سلسلہ جاری رہا ۔ اس دوران شبلی نعمانی نے عماد الملک کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے ترجمے کے مسودے شبلی نعمانی کے ایک قریبی عزیز مولانا حمید الدین فراہی کو دکھاکر ان کی رائے معلوم کرلیا کریں ۔ مولانا فراہی عربی کے جید عالم ہونے کے علاوہ گرائجویٹ بھی تھے اور اس کام کے لئے بے حد موزوں تھے ۔ عماد الملک نے یہ مشورہ بخوشی قبول کرلیا۔

بد قسمتی سے نواب عماد الملک اپنی دیگر مصروفیات ، علالت اور ضعیف العمری کے باعث یہ اہم کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچاسکے ۔ عماد الملک کا انگریزی ترجمہ سورہ اول فاتحہ سے ۲۰ ویں سورہ طہ (پارہ ۱۶) تک ہے ۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد آئی ۔ اے ۔ ایس (ریٹائرڈ) کے بیان کے مطابق محققین اور علماء سے صلاح و مشورے کی غرض سے بیس سورتوں کے اس انگریزی ترجمے کی سو، ڈیڑھ سو کاپیاں (بطور پروف) چھاپی گئی تھیں ۔ اس کی ایک کاپی ڈاکٹر صاحب کے پاس محفوظ ہے ۔ بعد ازاں یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

اس ترجمے کی قدر و قیمت اور وقعت کا اندازہ مولانا عبد الماجد دریابادی کی رائے سے کیا جاسکتا ہے جو درج ذیل ہے ۔

" عماد الملک کا اہم ترین کارنامہ ، جو تنہا ان کے بقاء نام کے لئے کافی ہے وہ ان کا انگریزی ترجمۂ قرآن مجید ہے ۔ جن لوگوں نے انگریزی تراجم کو قرآن سے مقابلہ کرکے پڑھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ سیل ، راڈول، پامر وغیرہ کے ترجمے کس قدر ناقص ہیں ۔ مذہبی تعصبات و مخالفانہ در اندازیوں سے قطع نظر کرکے ان حضرات نے معمولی عبارتوں کے سمجھنے میں بھی ایسی شدید و فاحش غلطیاں کی ہیں کہ سارے مطالب قرآنی مسخ ہوکر رہ گئے ہیں ۔ اس " بزرگ قوم " کے اس احسان سے قوم قیامت تک سبکدوش نہیں ہوسکتی کہ انہوں نے اس مقدس فرض کو بہترین صورت سے انجام دیا ۔ ان کے ترجمے کا اعجاز یہ ہے کہ باوجود انتہائی احتیاط اور لفظی پابندیوں کے التزام کے سلاست و روانی میں بھی کسی اہل زبان کے ترجمے سے کم نہیں ۔ اگرچہ اس کا سخت افسوس ہے کہ فاضل موصوف کی کبرسنی ، ضعفِ صحت و اضمحلال قویٰ کی بنا

پر اس کی توقع نہیں کہ ترجمہ تکمیل تک پہنچ سکے ۔ تاہم اس کے جس قدر اجزاء تیار ہو چکے ہیں وہ منتہائے تحقیق و کاوش کا نمونہ ہیں اور اس پایے کے ہیں کہ انہیں کو نواب عماد الملک کے آیات کمال کا سرنامہ بنایا جائے ۔ در حقیقت اگر نواب صاحب کی ساری زندگی کا صرف یہی ایک کارنامہ ہوتا تو اس آفتاب کے سامنے دوسروں کے خدمات ماہ و انجم سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے ۔" (تذکرہ مصنف از مولانا عبد الماجد دریابادی مشمولہ رسائل عماد الملک)

انتہائی حیرت کی بات ہے کہ یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا ہے جب کہ قدر داں حیدرآباد کی قدر دانی اور بروقت اشتراک کی وجہ سے دوسرے اس قسم کے بہت سے کام منظر عام پر آ چکے ہیں ۔ نواب عماد الملک کا یہ گنج گراں مایہ کسی پوشیدہ خزانے کی طرح ہنوز پوشیدہ ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نواب عماد الملک کے اس عظیم کارنامے ، ترجمۂ قرآن مجید کو نامکمل ہی شائع کیا جائے تاکہ ساری علمی دنیا اس کارنامے سے واقف ہو سکے ۔

ماخذ

Instalment No. 78, List No.4, S.No. 300

مقدمہ :- مولوی سید حسین بلگرامی المخاطب عماد الملک بہادر کو قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کرنے کی مدد کے لئے ایک مددگار کا تقرر دو سال کی مدت تک منظور کئے جانے کی نسبت

پرائیویٹ سکریٹری

کنگ کوٹھی — مہاراجہ مدارالمہام بہادر صاحب یمین السلطنت — ۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۳۰ یکشنبہ

مولوی سید حسین صاحب بلگرامی کو کلام مجید کے انگریزی ترجمہ کی تکمیل کیلئے آپکی اور [illegible] کونسل کی رائے معروضہ ۱۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ کے مطابق ایک مددگار جسکی تنخواہ [illegible] سو سے دو سو روپیہ ماہانہ تک ہو دو سال کیلئے دیا جائے

(شرحہ دستخط مبارک اعلیحضرت)

فضیلت جنگ بہادر۔ اعتراف فضیلت

جامعہ نظامیہ کے بانی فضیلت جنگ بہادر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ نہ صرف یہ کہ بانی جامعہ نظامیہ تھے بلکہ انہیں سابق ریاست حیدرآباد کے آخری دو حکمرانوں نواب میر محبوب علی خان آصف سادس اور نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کے استاد رہنے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ بقول تمکین کاظمی "بہ لحاظ فضیلت و علمیت حیدرآباد میں کوئی عالم آپ کے پایے کا نہ تھا مگر آپ کو نہ تو اپنی علمیت و فضیلت کے اظہار کا شوق تھا نہ ہی آپ کا انکسار اور عجز اس کی اجازت دیتا تھا۔ آپ صدرالصدور اور صدرالمہام امور مذہبی بھی ہوگئے تھے مگر عہدہ دارانہ شان اور امارت آپ میں پیدا ہی نہ ہوئی۔ وہی عالمانہ وقار بلکہ طالب علمانہ انکسار آپ میں تھا جو آخر تک رہا"۔ اس مضمون میں اس ذی احترام علمی و مذہبی شخصیت کی حیات اور کارناموں اور مدرسہ نظامیہ کے چند گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ چند گوشے صرف سات سال کی اس مدت کا احاطہ کرتے ہیں جس کا آغاز نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کی تخت نشینی سے اور اختتام فضیلت جنگ بہادر کے وصال پر ہوتا ہے۔ یہ مضمون آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ دستاویزات و کاغذات کی چھان بین اور تحقیق کا نتیجہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مدرسہ نظامیہ اور اس کے بانی کے بارے میں مستند مواد اہل علم کے لیے پیش کیا جائے۔ اس مضمون سے اس حقیقت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سرپرستی، امداد اور فیاضی کے سلسلے میں سابق ریاست حیدرآباد میں اس کے حکام باقاعدگی اور واجبیت کا ہر سطح پر کتنا خیال رکھتے تھے۔

آرکائیوز سے دستیاب ہونے والے مواد اور فرامین کو ذیل میں ترتیب کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے جن کے غائر مطالعہ سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نواب میر عثمان علی خان آصف سابع نے فضیلت جنگ بہادر کی کس طرح قدردانی کی تھی اور مدرسہ نظامیہ کی ترقی میں کس درجہ دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

آصف سابع (دور حکمرانی ۱۹۱۱ء تا ۱۹۴۸ء) نے مولوی انوار اللہ خاں بہادر کو محکمہ امور

مذہبی میں کلیدی اور اعلیٰ ترین عہدوں پر مامور کیا تھا جن پر کار گزار رہتے ہوئے مولوی صاحب نے اہم اور نہایت مفید خدمات انجام دیں ۔ مولوی صاحب ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء کو صدر الصدور اور نظامت امور کے عہدوں پر فائز کیئے گئے ۔ ریاست حیدر آباد میں محکمہ امور مذہبی کے لیئے معین المہام (وزیر) کا ایک جدید عہدہ ۱۹۱۳ء میں قائم کیا گیا تھا ۔ جس پر نواب مظفر جنگ بہادر کا عارضی طور پر تقرر عمل میں آیا تھا ۔ وہ اس عہدے پر صرف سات ماہ کار گزار رہنے کے بعد ۱۲ اپریل ۱۹۱۴ء کو انتقال کر گئے ۔ ان کے انتقال کے بعد مولوی انوار اللہ خاں بہادر کو بذریعہ احکام مورخہ ۱۳ / اپریل ۱۹۱۴ء مطبوعہ جریدہ غیر معمولی بیافت دو ہزار روپے ماہوار معین المہام امور مذہبی مقرر کیا گیا ۔ وہ وفات پانے یعنی تقریباً چار سال تک اس عہدے پر فائز رہے آصف سابع نے اپنی سالگرہ کے موقع پر بذریعے فرمان مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۱۷ء مولوی صاحب کو فضیلت جنگ بہادر کا خطاب عطا کیا ۔ قبل ازیں نواب میر محبوب علی خان آصف سادس نے ۱۸۸۴ء میں جشن تخت نشینی کے موقع پر مولوی صاحب کو خان بہادر کا خطاب عطا کیا تھا ۔

علم دوستی اور تعلیمی اداروں کی سرپرستی کے لیئے آصف سابع بڑی شہرت رکھتے تھے ۔ یہ بات ممکن نہ تھی کہ ریاست کی مشہور دینی درس گاہ مدرسہ نظامیہ کی مالی امداد اور اس کی بہتر نگرانی آصف سابع کی خصوصی دلچسپی سے محروم رہتی ۔ چناں چہ انہوں نے تخت نشینی کے اندرون ایک سال فرمان مورخہ ۴ مئی ۱۹۱۲ء کے ذریعے مدرسہ نظامیہ کے لیئے دو ہزار روپے ماہانہ کی امداد منظور کی ۔ اس فرمان میں انہوں نے یہ ہدایت بھی کی کہ مدرسہ نظامیہ کا انتظام مولوی انوار اللہ خاں بہادر کی زندگی تک انہیں کے سپرد رہے ۔

آصف سابع نے مولوی صاحب کی تصانیف کی اشاعت کے لیئے پانچ سو روپے ماہوار منظور کیئے تھے ۔ اس سلسلے میں سرکاری سطح پر جو کارروائی ہوئی تھی اس کی مختصر روئیداد یہ ہے مولوی انوار اللہ خاں بہادر نے آصف سابع کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی تھی جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ مولوی حسن الزماں کو بیس بچیس سال سے ان کی کتابوں کی اشاعت کے لیئے حکومت سے جو پانچ سو روپے ماہانہ دیئے جاتے تھے ان کے انتقال کے بعد مسدود کر دے گئے ہیں ۔ مولوی صاحب نے اپنی درخواست میں یہ لکھا کہ وہ بھی ایک مدت سے اپنی حیثیت کے مطابق دینی مسائل پر کتابیں لکھ رہے ہیں ۔ لہذا وہ ماہور ان کی تصانیف کی اشاعت کے لیے مقرر کی جائے ۔ اس درخواست پر معین المہام فینانس نے لکھا کہ مولوی حسن

الزماں کی ماہوار کی مسدودی سے متعلق مولوی انوار اللہ خان بہادر سے رائے لینے کے بعد مسدودی کی تحریک کی گئی تھی اور تحریک کی منظوری پر ماہوار کی مسدودی کا حکم جاری کیا گیا تھا۔ اگر یہی ماہوار اب مولوی انوار اللہ خاں بہادر کے نام جاری ہو تو مناسب نہ ہوگا۔ آصف سابع مناسب سمجھیں تو کوئی جدید ماہوار مقرر فرمائیں۔ آصف سابع نے اس تجویز پر فرمان مورخہ ۳۰ سپٹمبر ۱۹۱۲ء کے ذریعے حکم دیا کہ اگر وہ ماہوار جو مسدود ہو گئی ہے قابل اجراء نہیں ہے تو علحدہ از سرنو پانچ سو روپے ماہوار دینی کام کے لیے خاص طور پر مولوی صاحب کو دیئے جائیں تاکہ ان کے ذریعے یہ کام جاری رہے۔

آصف سابع نے مولوی انوار اللہ خاں بہادر کے لیے احکام صادر کئے تھے کہ وہ صدر الصدوری کے کاغذات معتمد متعلقہ کی بجائے براہ راست مدار المہام (صدر اعظم) یا آصف سابع کی خدمت میں پیش کر کے ہدایات حاصل کریں۔ اس بارے میں جو کارروائی کی گئی تھی اس کی تفصیل یہ ہے۔ محکمہ امور مذہبی کی جانب سے ایک طویل عرضداشت میں صدر الصدور اور نظامت امور مذہبی کے کام کی صراحت کرتے ہوئے آصف سابع سے اس بارے میں احکام صادر کرنے کی گزارش کی گئی تھی کہ مدار المہام یا آصف سابع کے احکام کے لئے صدر الصدور کے دفتر کے کاغذات التزاماً معتمد امور مذہبی کے توسط سے پیش ہونے چاہیں یا معین المہام امور مذہبی وہ کاغذات بالراست پیش کر سکتے ہیں۔ اس عرضداشت پر آصف سابع نے بذریعے فرمان مورخہ ۵ اپریل ۱۹۱۵ء یہ ہدایات جاری کیں۔ "فی الوقت معین المہام امور مذہبی خود صدر الصدور بھی ہیں تو اس صورت میں سوال مذکور کے قطعی تصفیے کی کوئی ضرورت نہیں ہے آئندہ اگر کبھی معین المہام کے علاوہ ایک جداگانہ عہدہ دار صدر الصدور مقرر ہوگا تو اس وقت تصفیہ کیا جاسکے گا کہ صدر الصدوری کے کاغذات بذریعہ معتمد علاقہ پیش ہونا چاہیے یا کیا۔ اب جب کہ صدر الصدور خود معین المہام امور مذہبی ہیں تو وہ اپنی ذمہ داری سے صدر الصدوری کے کاغذات بطور خود براہ راست مدار المہام یا سرکار میں پیش کر کے ہدایات یا احکام مناسب حاصل کرتے رہیں"

مولوی انوار اللہ خان بہادر نے محکمہ امور مذہبی کے ناظم اور معین المہام مقرر ہونے پر اس محکمے میں کئی اصلاحات نافذ کیں۔ ریاست کے مسلمانوں اور خاص کر دیہات کے مسلمانوں کی مذہبی اصلاح اور سدھار کا کام ان کی خاص توجہ کا مرکز رہا۔ آصف سابع نے

مولوی صاحب کے معروضے کو منظوری دیتے ہوئے ریاست کے دیہاتوں کے مسلمانوں کی دینی اور مذہبی اصلاح کے لئے واعظین کے تقرر کے لیے فرمان مورخہ ۳۰ سپٹمبر ۱۹۱۶ء کے ذریعے ہدایات جاری کیں "اس بارے میں معین المہام امور مذہبی کی رائے منظور کی جاتی ہے۔ حسبہ ہر ضلع کے لئے سردست ایک واعظ کا تقرر کیا جائے۔ ان کو پچاس روپے ماہوار اور بھتہ بیس روپے ماہانہ دیا جائے۔ ہر واعظ کے پاس ایک ایک چپراسی آٹھ روپے ماہوار متعین کیا جائے لیکن واعظین کو اچھے طور سے ہدایت دی جائے کہ وہ اپنا وعظ اور دینیات کی تعلیم کو دورہ کرکے صرف مسلمانوں کی جماعت تک محدود رکھیں اور دوسرے مذہب والوں کی ہدایت یا مناظرے سے کچھ متعلق و سروکار نہ رکھیں۔"

مولوی انوار اللہ خان بہادر چاہتے تھے کہ مدرسہ نظامیہ کے فارغ التحصیل طلبہ کو دارالعلوم کے طلبہ کی طرح سرکاری ملازمتوں کا استحقاق دیا جائے۔ مولوی صاحب کی تحریک پر اس بارے میں سرکاری سطح پر جو کارروائی ہوئی تھی اس کے خلاصے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کو اس مسئلے سے کتنی دلچسپی تھی۔ اس کارروائی کے تکمیل پانے اور اس سلسلے میں آصف سابع کا فرمان صادر ہونے سے چند ماہ قبل مولوی صاحب وفات پاچکے تھے لیکن جو فرمان جاری ہوا تھا وہ بڑی حد تک ان کی خواہشات اور منشاء کے مطابق تھا۔ اس کارروائی کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔ مولوی صاحب نے آصف سابع کے نام ایک معروضے میں لکھا تھا کہ آصف سابع کی فیاضی سے مدرسہ نظامیہ کے طلبہ پر لاکھوں روپے صرف ہورہے ہیں جس کی وجہ سے ہندوستان کے علاوہ باہر کے طلبہ بھی فارغ التحصیل ہورہے ہیں مگر اس مدرسے کے سند یافتہ ملکی طلبہ تیرہ سال تک تحصیل معقول و منقول میں جانفشانی کرنے کے باوجود سرکاری ملازمت کے لئے مستحق نہیں سمجھے جاتے حالانکہ لیاقت میں مدرسہ نظامیہ کے طلبہ دارالعلوم کے طلبہ سے کم نہیں ہیں۔ اگر آصف سابع یہ حکم صادر فرمادیں کہ جس قدر دارالعلوم کے سند یافتہ طلبہ کو ملازمت کا استحقاق دیا گیا ہے اسی قدر مدرسہ نظامیہ کے سندیافتہ طلبہ کو بھی دیا جائے تو بہت سے ملکی طلبہ بھی ملازمت کی توقع میں مدرسہ نظامیہ سے فائدہ اٹھاکر آصف سابع کے حق میں دعاگو رہیں گے۔ جب ایک سال سے زیادہ مدت گزر گئی اور اس بارے میں خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہوئی تو مولوی صاحب نے آصف سابع کے نام ایک اور درخواست کے ذریعے اپنے سابق معروضے کی پذیرائی کے لیے یاد دہانی کی۔ آصف

سابع نے فرمان مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۱۸ء کے ذریعے مولوی صاحب کی درخواستوں پر کیفیت اور رائے پیش کرنے کی ہدایت دی۔ ناظم تعلیمات (سر راس مسعود) معتمد تعلیمات (سر اکبر حیدری) اور معین المہام تعلیمات (فخر الملک بہادر) نے اس بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ مدرسہ نظامیہ کے نصاب تعلیم میں دنیاوی اور سرکاری ملازمتوں کی ضرورتوں کا کم لحاظ رکھا گیا ہے چنانچہ جغرافیہ، تاریخ، حساب اور سائنس کے مضامین داخل نصاب نہیں ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے نصاب کی اصلاح ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جامعہ نظامیہ کے طلبہ بھی دار العلوم کے طلبہ کی طرح سرکاری امتحانات میں شریک ہو کر کامیابی حاصل کریں۔ تب انہیں بھی دار العلوم کے طلبہ کی طرح عام سرکاری ملازمت کے لیے حقوق عطا کیے جاسکتے ہیں۔ معین المہام سیاسیات فریدوں الملک نے لکھا کہ مدرسہ نظامیہ کے فارغ التحصیل طلبہ کو حسب لیاقت سرکاری دفاتر میں ملازمت ملنی چاہیے کیوں کہ جس قسم کی تعلیم یہ طلبہ پاتے ہیں اس سے ان کو عام لیاقت اس قدر حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ دفتری خدمات کے لئے کافی سمجھی جائے البتہ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ مدرسہ نظامیہ کے طلبہ کے لئے بھی بغرض حصول ملازمت وہی حقوق مقرر کئے جائیں جو طلبہ دار العلوم کو دئے گئے ہیں۔ اس بارے میں عرضداشت پیش ہونے پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۰ اگسٹ ۱۹۱۸ء کے ذریعے حکم دیا کہ مدرسہ نظامیہ کے فارغ التحصیل طلبا کو اپنی اپنی ذاتی لیاقت کی مناسبت سے سرکاری خدمات پانے کا حق حاصل رہے گا۔

فضیلت جنگ بہادر کے وفات پانے پر آصف سابع نے ان کی رحلت کو ملک اور قوم کا عظیم نقصان قرار دیا۔ آصف سابع نے حسب ذیل تعزیتی فرمان مورخہ ۱۵/ اپریل ۱۹۱۸ئے کے ذریعے مولوی صاحب کی شخصیت اور خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا

"مولوی محمد انوار اللہ خان فضیلت جنگ بہادر اس ملک کے مشائخ عظام میں سے ایک عالم باعمل اور فاضل اجل تھے اور اپنے تقدس و تورع و ایثار و نفس وغیرہ کی خوبیوں کی وجہ سے عامتہ المسلمین کی نظروں میں بڑی وقعت رکھتے تھے۔ وہ والد مرحوم کے اور میرے نیز میرے بچوں کے استاد بھی تھے اور ترویج علوم دینیہ کے لیے مدرسہ نظامیہ قائم کیا تھا جہاں اکثر ممالک بعیدہ سے طالبان علوم دینیہ آکر فیوض معارف و عوارف سے متمتع ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب کو میں نے اپنی تحت نشینی کے بعد ناظم امور مذہبی اور صدر الصدور مقرر کیا تھا

اور مظفر جنگ کا انتقال ہونے پر معین المہام امور مذہبی کے عہدہ جلیلہ پر مامور کیا۔ مولوی صاحب نے سررشتہ امور مذہبی میں جو اصلاحات شروع کیں وہ قابل قدر ہیں اور اگر وہ تکمیل کو پہونچائی جائیں تو یہ سررشتہ خاطر خواہ ترقی کرسکے گا۔ بلحاظ ان خصوصیات کے مولوی صاحب کی وفات سے ملک اور قوم کو نقصان عظیم پہنچا اور مجھ کو نہ صرف ان وجوہ سے بلکہ تلمذ کے خاص تعلق کے باعث مولوی صاحب مرحوم کی جدائی کا سخت افسوس ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی یاد تازہ رکھنے کی غرض سے مدرسہ نظامیہ میں دو تعلیمی وظیفے پچیس، پچیس روپے ماہانہ کے مولوی صاحب کے نام سے ہمیشہ کے واسطے قائم کئے جائیں۔ یہ وظیفے کس درجے کے طالب علموں کو کس مدت کے لئے اور کن شرائط سے دیئے جائیں گے اس کے متعلق علحدہ تجاویز پیش کرکے میری منظوری حاصل کی جائے۔"

آصف سابع کو اپنے استاد محترم کے قائم کردہ مدرسہ سے خاص تعلق خاطر تھا۔ انہیں یہ بات پسند نہ تھی کہ یہ مدرسہ اصطبل میں قائم رہے۔ چنانچہ اپنے اتالیق کی وفات کے چند ماہ بعد ہی آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۱۸ء کے ذریعے احکام صادر کئے کہ حکومت کی جانب سے اصطبل کا انہدام کرکے اسی مقام پر پندرہ بیس ہزار روپے کی لاگت سے مدرسہ کے لئے ایک چھوٹی سی عمارت تعمیر کی جائے۔

آرکائیوز کی دستاویزات سے اخذ کردہ مواد کی بنیاد پر قلمبند کردہ یہ مضمون صرف چند سال کا احاطہ کرتا ہے جب کہ مدرسہ نظامیہ اور اس کے بانی فضیلت جنگ بہادر ایک ایسا موضوع ہے جو طویل مدت پر محیط ہے۔ اگر اس موضوع پر محکمہ آرکائیوز میں محفوظ تمام متعلقہ مواد کی چھان بین کی جائے اور دستیاب مواد کو تجزیے کے ساتھ پیش کیا جائے تو یقین ہے کہ اس موضوع پر بہت سے نئے گوشے منظر عام پر آئیں گے۔

ماخذ

Instalment No. 78, List No.3, S.No. 80

مقدمہ :۔ اجرائی ماہوار حسن الزماں صاحب مرحوم بنام مولوی انوار اللہ خان بہادر در طبع تصانیف

Instalment No. 80, List No.3, S.No. 117

مقدمہ :۔ منظوری تقرر واعظین برائے اصلاح حالات مسلمانان دیہات

Instalment No. 80, List No.3, S.No. 885

مقدمہ :۔ مولوی محمد انوار اللہ خان بہادر معین المہام امور مذہبی کی درخواست ۔ مدرسہ نظامیہ کے سند یافتہ طلبہ کو سرکاری ملازمت کا استحقاق دینے کی نسبت

فرمان

کرنل کوبنی — مدار المہام سالار جنگ بہادر — ۱۰ ماہ شوال المکرم سنہ [illegible] دو شنبہ

70

مولوی حسن الزمان مرحوم کی بحوالہ اشاعت لطائف دینیہ کی نسبت عرضداشت مورخہ ۱۱ ماہ شوال ۱۳۴۳ھ مطالعہ کی گئی۔ اس بارہ میں مولوی محمد انوار اللہ خان صاحب کی عرضی مورخہ ۱۲ ماہ شوال ۱۳۴۳ھ ملفوف ہے۔ جس سے مولوی صاحب کا عندیہ صاف طور پر نمایاں ہوتا ہے۔ اگرچہ ماہوار جو مسدود ہوگئی ہے قابل اجرا نہیں ہے تو علیحدہ از سر نو یکصد روپیہ ماہوار اس دینیات کے کام کے لئے خاص طور پر مولوی صاحب کو دیا جائے تاکہ ان کے ذریعہ سے یہ کام روزانہ جاری رہے۔

(نشان دستخط مبارک اعلیٰحضرت)

سر فریدون الملک بہادر کی قدر افزائی

ریاست حیدر آباد کے لائق اور قابل عہدیداروں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان میں سے چند عہدیداروں نے بڑی ناموری حاصل کی تھی۔ ان چند نامور عہدیداروں میں سر فریدوں الملک بہادر شامل تھے۔ وہ اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے باعث معمولی عہدے سے ترقیاں پاتے ہوئے ریاست کے اعلیٰ ترین عہدے تک پہنچے تھے۔ فریدوں الملک نے ریاست حیدر آباد کے چھٹے حکمران نواب میر محبوب علی خان آصف سادس (دور حکمرانی ۱۸۸۴ء تا ۱۹۱۱ء) اور ساتویں حکمران نواب میر عثمان علی خان آصف سابع (دور حکمرانی ۱۹۱۱ء تا ۱۹۴۸ء) کے عہد میں اہم اور نمایاں خدمات انجام دیں اور انہیں عمدہ کارکردگی اور وفادارانہ خدمات کے صلے میں ترقیاں، ملازمت میں توسیع، تنخواہ میں اضافے اور خطابات عطا کئے گئے۔ آصف سابع نے متعدد باران کی کارگزاریوں پر خوشنودی کا اظہار کیا۔

فریدون الملک نے ملازمت کے دوران اپنے فرائض بڑی محنت، مستعدی اور خوش اسلوبی سے انجام دئے۔ وہ ڈسپلن کے سخت پابند تھے اور جفاکشی اور فرض شناسی کے لئے مشہور تھے۔ معاملہ فہم اور صائب رائے ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ دوسرے عہدیداروں سے ممیز و ممتاز رہے۔ فریدوں الملک عہدیداران بالا کی اطاعت کے علاوہ ان کی ہدایتوں پر بھی سختی سے عمل کرتے تھے۔ ان ہی خصوصیات کی وجہ سے انہیں ایسا عروج حاصل ہوا جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

فریدون الملک ملازمت کے دوران پولیٹیکل سکریٹری اور صدر المہام سیاسیات کی خدمت پر بھی فائز رہے۔ اس دور میں پولیٹکل سکریٹری اور صدر المہام سیاسیات کے فرائض بے حد اہم اور نازک ہوا کرتے تھے۔ ان عہدوں کے فرائض کا انجام دینا پل صراط پر چلنے سے کم نہیں تھا۔ ریاست کے حکمران اور رزیڈنٹ دونوں کو خوش، راضی اور مطمئن کرنا بے حد مشکل تھا۔ فریدوں الملک بڑے معاملہ فہم اور محل شناس تھے۔ انہوں نے انگریزوں کو خوش رکھنے کے ساتھ ساتھ، ریاست اور اس کے حکمران کے مفادات کے تحفظ کی بھی کوشش کی۔

رزیڈنٹ ان پر اعتماد کرتا تھا اور ریاست کی حکمرانی ان کی عمدہ کارکردگی اور وفاداری سے اتنے خوش تھے کہ وہ وقتاً فوقتاً ان کی خدمات کے صلے میں مختلف انداز سے ان کی قدر افزائی کرتے تھے۔ ریاست کے اکثر عہدیداروں نے دربار کی سازشوں میں ملوث ہو کر یا ذاتی فائدے کے لئے ریاست کے مفادات کو نقصانات پہنچانے اور رزیڈنٹ کو خوش کرنے کی کوششوں میں رسوائیاں مول لیں۔ ان عہدیداروں نے یا تو ملازمتیں گنوائیں یا غیر ملکی ہونے کی صورت میں شہر بدر ہوئے۔ فریدوں الملک ان چند عہدیداروں میں سے تھے جنہیں ریاست کی خدمات کے صلے میں عزت، نیک نامی اور سرخروی حاصل ہوئی۔

فریدوں جی (اصل نام) سپتمبر ۱۸۴۹ء میں جالنہ میں پیدا ہوئے۔ معمولی خدمت سے سرکاری ملازمت کا آغاز کیا۔ چونکہ محنتی تھے اور اچھی صلاحیتوں کے حامل تھے اس لئے ترقیاں پاتے ہوئے تحصیل دار ہوئے۔ ۱۸۷۵ء میں ضلع اورنگ آباد میں بندوبست کے کام کے آغاز پر نواب محسن الملک سروے اور سٹلمنٹ کمشنر (ناظم بندوبست) بنائے گئے تھے۔ محسن الملک کو اس کام کے لئے چند محنتی، فرض شناس اور لائق افراد کی ضرورت تھی۔ فریدوں جی محسن الملک کو لائق اور کارداں نظر آئے اس لئے انہوں نے اس نئے کام میں فریدوں جی کو اپنے مددگار کے طور پر منتخب کیا۔ اس کام کے اختتام پر ۱۸۸۲ء میں محسن الملک کی رپورٹ شائع ہوئی جس میں انہوں نے فریدوں جی کی کارکردگی کو ان الفاظ میں سراہا "فریدوں جی اپنے فرائض کی انجام دہی میں پوری قوت کے ساتھ سرگرم عمل رہے۔ ان کے کام میں سلیقہ، قوت فیصلہ اور قابلیت کا بھی اظہار ہوا۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اورنگ آباد کے سروے میں جو کچھ بھی اچھا کام سرانجام پایا ہے اس کا سہرا بجا طور پر فریدوں جی کے سر جاتا ہے دیانت داری، اہلیت اور فرائض کی پورے انہماک کے ساتھ انجام دہی پر میں ان کے بارے میں اعلیٰ ترین رائے رکھتا ہوں۔" ضلع اورنگ آباد کے علاوہ انہیں اضلاع بیڑ اور پربھنی کے بندوبست کا کام بھی تفویض کیا گیا۔ ان کاموں میں ان کی محنت اور عرق ریزی کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ ۱۸۸۳ء میں ضلع اورنگ آباد کے تعلقدار اور ایک سال بعد ناظم بندوبست بنا دیئے گئے۔ اس ترقی کے چند ماہ بعد وہ مدار المہام وقت (صدر اعظم) نواب میر لائق علی خاں سالار جنگ دوم کے پرائیوٹ سکریٹری کے عہدے پر فائز کئے گئے۔ سالار جنگ دوم کے بعد آسمان جاہ، وقار الامراء، مہاراجا سرکشن پرشاد اور نواب میر یوسف علی خان سالار جنگ سوم یکے بعد دیگرے ریاست کے

مدار المہام مقرر ہوئے۔ فریدوں جی ان پانچوں مدار المہاموں کے پرائیوٹ سکریٹری رہے۔ مہاراجا کشن پرشاد کے دور مدار المہامی میں فریدوں جی کی ذمہ داریوں میں اضافہ کرتے ہوئے انہیں ریاست کا پولیٹکل سکریٹری بھی مقرر کیا گیا۔ اب وہ مدار المہام کے پرائیوٹ سکریٹری اور ریاست کے پولیٹکل سکریٹری کے فرائض انجام دینے لگے۔ سالار جنگ سوم ۱۹۱۴ء میں مدار المہامی کے عہدے سے مستعفی ہوئے اور آصف سابع نے ان کی جگہ کسی اور کو مدار المہام مقرر نہیں کیا اور ریاست کا نظم ونسق خود سنبھال لیا۔ ریاست حیدر آباد میں Direct Administratio کا دور تقریباً پانچ برس جاری رہا۔ اسی دوران آصف سابع نے انہیں صدر المہام سیاسیات مقرر کیا۔ Direct Administratio کے دوران فریدوں الملک نے عملی طور پر مدار المہام کے فرائض انجام دئے۔ اس زمانے میں آصف سابع کے پاس بھیجی جانے والی عرض داشتیں فریدوں الملک کی طرف سے پیش کی جاتی تھیں جب کہ قاعدے اور روایت کے مطابق مدار المہام ہی عرض داشت پیش کر سکتے تھے۔ فریدوں الملک صدر المہام سیاسیات کی حیثیت سے وظیفے پر سبکدوش ہوئے۔ بعد ازاں باب حکومت میں ان کی خدمات حاصل کی گئیں جہاں انہوں نے صدر المہام اختصامی کے علاوہ نائب صدر اعظم اور منصرم صدر اعظم کی حیثیت سے فرائض انجام دئے۔ ان کا انتقال ۲۸ نومبر ۱۹۲۸ء کو ہوا۔

ذیل میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں محفوظ آصف سادس اور آصف سابع کے اصل فرامین پر مبنی مواد پیش کیا جارہا ہے۔ ریاست حیدر آباد کی نامور شخصیت سر فریدوں الملک بہادر کے بارے میں یہ مواد پہلی بار منظر عام پر آرہا ہے جس کے مطالعہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ریاست حیدر آباد کے حکمرانوں نے ریاست کی مخلصانہ خدمات انجام دینے والوں کی کس طرح قدر افزائی کی تھی۔ ترقیاں دیتے ہوئے اور اعزازات عطا کرتے ہوئے مستحق افراد ہی ان کے پیش نظر رہتے تھے اور وہ دوسری باتوں کو اہمیت نہیں دیا کرتے تھے۔

ریاست حیدر آباد میں سرکاری ملازمین (بشمول اعلیٰ عہدیدار) کی وظیفہ پر سبکدوشی کی عمر ۵۵ سال مقرر تھی لیکن فریدوں الملک کو ۵۵ سال عمر کی تکمیل پر وظیفہ پر سبکدوش نہیں کیا گیا اور انہیں ملازمت میں توسیع دی جاتی رہی۔ جب ان کی عمر ۵۷ سال سے تجاوز کر چکی تھی نواب میر محبوب علی خاں آصف سادس نے فرمان مورخہ ۲۳ ڈسمبر ۱۹۰۶ء کے ذریعے فریدوں

الملک کی مدت ملازمت میں تین سال کی مزید توسیع منظور کی۔آصف سادس نے ملازمت کی مدت میں توسیع دینے کے علاوہ ایک علاحدہ فرمان کے ذریعہ فریدوں الملک کے نام ڈھائی سو روپے بطور ماہوار خاص جاری کئے۔نواب میر عثمان علی خان آصف سابع نے تخت نشینی کے تقریباً ایک سال بعد ایک اہم سرکاری کام کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے پر بذریعہ فرمان مورخہ ۲۷ سپتمبر ۱۹۱۲ء فریدوں الملک کی ماہوار خاص میں ڈھائی سو روپے اضافہ منظور کئے۔

آصف سابع کی تخت نشینی کے کچھ ہی عرصے بعد سالار جنگ اول کے نوجوان پوتے نواب میر یوسف علی خان سالار جنگ سوم مدار المہام مقرر کئے گئے۔مدار المہام کی کم عمری اور اور ناتجربہ کاری کی بناء پر نواب عماد الملک بہادر اور فریدوں جنگ بہادر ان کے مشیر مقرر کئے گئے۔فریدوں جنگ کو اپنے مفوضہ کام کے علاوہ یہ اہم کام بھی انجام دینا پڑتا تھا۔وہ ایام تعطیلات میں بڑی مستعدی سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۳ ڈسمبر ۱۹۱۲ء میں فریدون جنگ کی متذکرہ بالا زائد ذمہ داریوں کا حوالہ دیتے ہوئے ان کی ماہوار خاص میں ڈھائی سو روپے اضافہ کی منظوری صادر کی۔

حکومت ریاست حیدرآباد کے چند معتمدین کی ماہانہ تنخواہ، جو سروس اور رینک کے اعتبار سے فریدوں جنگ سے جونیر تھے فریدوں جنگ کی تنخواہ سے زیادہ تھی۔آصف سابع نے اپنی تخت نشینی کی سالگرہ کے موقع پر فرمان مورخہ ۱۲ اگسٹ ۱۹۱۳ء کے ذریعہ فریدوں جنگ کی ماہوار خاص میں ڈھائی سو روپے کے اضافہ کی منظوری دی تاکہ فریدوں جنگ کی تنخواہ بھی چند دوسرے معتمدین کی تنخواہ کے مماثل ہوجائے۔ان فرامین میں صراحت کے ساتھ ہدایت دی گئی تھی کہ فریدون جنگ کو سبکدوش ہونے پر وظیفے کے علاوہ ماہوار خاص تاحیات ملا کرے گی۔مختلف مرحلوں میں ڈھائی سو روپے کی منظوریوں کے بعد ماہوار خاص کی رقم ایک ہزار روپے تک پہنچ گئی تھی۔فریدون جنگ نے تنخواہ میں اضافہ یا کوئی خاص الاونس جاری کرنے کے لئے کبھی نمائندگی نہیں کی۔انھوں نے اس معاملے میں ہمیشہ بے نیازی برتی۔آصف سابع اس سلسلے میں از خود احکام جاری کرتے تھے۔فریدون جنگ کو مالی فائدہ پہنچانے کی غرض سے آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۱۵ کے ذریعے فریدون جنگ کی تنخواہ اور ماہور خاص سکہ کلدار میں ادا کرنے کی ہدایت دی۔

آصف سابع نے فریدون جنگ کے وظیفہ اور ماہوار خاص کے بارے میں فرمان مورخہ

۱۹ اگست ۱۹۱۵ء کے ذریعے یہ وضاحتی احکام جاری کئے کہ فریدون جنگ بہادر کے فرزند کے نام جو ایک سو روپے منصب اور دو سو روپے وظیفہ رعایتی جاری ہے اس کا فریدون جنگ کے نام جاری ہونے والے وظیفے اور ماہوار خاص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

فریدون جنگ بہادر کی مدت ملازمت میں زائد از گیارہ سال توسیع دی جاچکی تھی۔ اس کے باوجود آصف سابع نے فرمان ۲۹ نومبر ۱۹۱۵ء کے ذریعہ مزید تین سال کی توسیع منظور کی اس توسیع کی مدت ختم ہوجانے پر انہیں مزید ایک سال خدمت انجام دینے کے لئے کہا گیا۔ اس طرح ان کی ملازمت میں تقریباً ۱۵ برس کی توسیع دی گئی۔ ملازمت میں اس قدر طویل عرصے کے لئے توسیع کی مثال مشکل سے ملے گی۔

پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں سے تعاون اور مالی امداد کی فراہمی پر آصف سابع کو ہزاگزالٹیڈ ہائنس کا خطاب دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں خلوت میں دربار کا انعقاد عمل میں آیا تھا اس دربار کے انعقاد پر خاص طور پر آصف سابع نے حکم مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۱۸ء کے ذریعے فریدون جنگ بہادر کو ان کی قابل قدر دیرینہ خدمات کے صلے میں سر فریدوں الملک بہادر کا خطاب دیا۔ اس سے قبل آصف سابع انہیں فریدوں الدولہ بہادر کا خطاب دے چکے تھے۔ آصف سادس کے عہد میں انہیں سر فریدون جنگ کا خطاب عطا ہوا تھا۔ دہلی کے دربار تاجپوشی ۱۹۰۳ء اور درباری قیصری ۱۹۱۱ء کے موقع پر حکومت برطانوی ہند کی جانب سے انہیں اعلیٰ خطابات دے گئے تھے۔

آصف سابع کو اس بات کا پوری طرح احساس تھا اور وہ اس کا برملا اعتراف بھی کرتے تھے کہ فریدوں الملک بہادر نے ان کے والد مرحوم (آصف سادس) نیز خود ان کے دور میں نہایت وفاداری اور خیر خواہی سے خدمات انجام دی ہیں ۔ چنانچہ انہوں نے فریدوں الملک کی ان خدمات کے صلے میں اپنی سالگرہ (یکم رجب ۱۳۳۶ھ) کے موقع پر ان کی دو پوتیوں "فیروزہ" اور "روشن" کے نام ایک سو پچیس روپے کلدار فی کس بطور وظیفہ رعایتی تاحیات جاری کئے اس سلسلے میں آصف سابع کا حکم مورخہ ۱۶/ اپریل ۱۹۱۸ء جاری ہوا۔

آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۵ سپتمبر ۱۹۱۴ء میں فریدون الملک کی گراں قدر خدمات کا بہت اچھے الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے انہیں صدر المہام سیاسیات مقرر کیا۔ فریدوں الملک ریاست حیدرآباد کے اولین صدر المہام سیاسیات تھے ۔ وہ وظیفہ حسن خدمت پر

سبکدوش ہونے تک اس عہدے پر فائز رہے۔آصف سابع نے فریدوں الملک کے اصرار پر انہیں وظیفے پر سبکدوش ہونے کی منظوری دی اور ان کے وظیفے میں ۵۰۰ روپے کا اضافہ منظور کیا۔اس بارے میں جو فرمان جاری ہوا تھا اس میں وہ لکھتے ہیں کہ فریدون الملک بہادر نے مدت دراز تک بڑی جانفشانی، وفاداری اور خیر خواہی کے ساتھ خدمات انجام دی ہیں جن کی وہ دل سے قدر کرتے ہیں۔انہیں افسوس ہے کہ فریدوں الملک کو پیرانہ سالی کی وجہ سے مجبوراً اور بادل نخواستہ وظیفہ پر سبکدوش کرنا پڑا۔فریدون الملک کی نمایاں اور اہم خدمات بنظر استحسان دیکھی گئیں اسی لیے وہ خاص طور پر فریدون الملک کے وظیفہ میں ۵۰۰ روپے ماہانہ کا اضافہ کرتے ہیں (فریدوں الملک کو از روئے قاعدہ ایک ہزار روپے کے وظیفے کا استحقاق تھا) اس فرمان میں یہ وضاحت بھی کی گئی کہ فریدون الملک کو وظیفے کے علاوہ ایک ہزار روپے بطور ماہور خاص ملیں گے۔

جب فریدون الملک ملازمت سے سبکدوش ہوئے اس وقت وہ صدر المہام سیاسیات تھے۔کہا جاتا ہے کہ آصف سابع نے اس شرط پر فریدوں الملک کو سبکدوش ہونے کی اجازت دی تھی کہ وہ باب حکومت میں صدر المہام اختصاصی کے طور پر شریک رہیں گے۔باب حکومت کے قیام (نومبر ۱۹۱۹ء) پر اس کے اولین صدر نشین (صدر اعظم) سر علی امام مقرر ہوئے اور فریدوں الملک صدر المہام اختصامی کی حیثیت سے اس میں شامل کئے گئے۔سر علی امام صدر اعظم کے دورہ یورپ اور علالت کے دوران فریدون الملک کو نائب صدر اعظم بنایا گیا۔سر علی امام کے مستعفیٰ ہونے پر فریدون الملک منصرم صدر اعظم بنائے گئے اور وہ اس عہدے پر ۱۹۲۴ء تک فائز رہے۔وہ کافی ضعیف ہوگئے تھے اور بتقاضائے سن بیمار رہنے لگے تھے اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ انہیں منصرم صدر اعظم کے اہم عہدے کی ذمہ داریوں اور کام کے بار سے سبکدوش کیا جائے۔آصف سابع نے فرمان مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۴ء کے ذریعے ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے لکھا کہ اگرچہ فریدوں الملک بہادر منصرم صدر اعظم کے فرائض سے سبکدوش کئے جارہے ہیں تاہم کابینہ میں ان کی حیثیت جو صدر المہام اختصامی کی ہے وہ تاحیات باقی رہے گی۔آصف سابع نے اس یقین کا بھی اظہار کیا کہ فریدوں الملک حکومت کو اپنی دیرینہ تجربے اور صائب رائے سے مستفید ہونے کا موقع دیتے رہیں گے۔

فریدوں الملک بہادر کی وفات پر آصف سابع کے احکام کی تعمیل میں حکومت ریاست

حیدر آباد کی جانب سے حسب ذیل جریدہ مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۲۸ء شائع ہوا۔

"سر فریدوں الملک کا انتقال سرکار عالی کے لئے ایک خطیر نقصان ہے۔ سر فریدوں الملک نے ابتداء ملازمت سے ان کے آخر وقت تک سرکاری خدمات کو کمال خیر خواہی سے انجام دیا۔ ان کی عقیدت ذات شاہانہ سے ہمیشہ لائق عزت رہی ہے۔ سرکاری خدمات جو زائد از ستاون سال سر فریدوں الملک نے مختلف حیثیتوں میں جیسے کہ تحصیلداری، مہتمی بندوبست، اول تعلقداری، ناظم بندوبست، چار مدار المہاموں کے آفیشل پرائیوٹ سکریٹری، مشیر مدار المہام، صدر المہام سیاسیات، نائب صدر اعظم، صدر اعظم اور صدر المہام احتصامی انجام دیئے ہیں وہ ہمیشہ گورنمنٹ کے نزدیک نظر استحسان اور پبلک میں نظر عزت سے دیکھے گئے ہیں۔ سر فریدوں الملک کے انتقال پر گورنمنٹ اظہار افسوس و رنج کرتی ہے اور ان کی نظیر کو دوسرے نو خیز عہدیداروں کے لئے ایک لائق تقلید نمونہ سمجھتی ہے"۔

ماخذ

۱) مہدی علی (محسن الملک)، سروے اینڈ سٹلمنٹ کمشنر کی رپورٹ مورخہ یکم اگسٹ ۱۸۸۲ء جو حسب ذیل کتاب میں شامل ہے۔

Hyderabad Affairs, Vol. VI, Part II, Bombay, 1883

2) Instalment No. 80, List No. 5, S.No. 401

مقدمہ۔ اجرائی ماہوار خاص بنام فریدوں الملک

3) Instalment No. 80, List No. 5, S.No. 461

مقدمہ۔ اجرائی ماہوار خاص بنام فیروزہ و روشن نبیری سر فریدوں الملک بہادر

4) Instalment No. 79, List No. 3, S.No. 883

مقدمہ۔ فریدوں جی کی وظیفہ کی نسبت

۵) فریدوں الملک کے انتقال پر حکومت ریاست حیدر آباد کا اظہار تاسف مطبوعہ جریدہ اعلامیہ مورخہ ۳ ڈسمبر ۱۹۲۸ء

کنگ کوٹھی

مدار المہام سالار جنگ بہادر

میں دیکھتا ہوں اکثر اہم تعلقات میں بھی فریدوں جنگ بہادر اپنا مفوضہ کام مستعدی سے انجام دیا کرتے ہیں
جس کی میں کچھ نہ کچھ قدر کرتا رہا ہوں۔ اور تب سے میں نے انکو (عماد الملک بہادر کے سوا) تمہارے ساتھ کام کرنے کیلئے مقرر کیا ہے۔ اسکی
وجہ ہے کہ انکو علاوہ اپنے مفوضہ کام کے ایک دوسرا خاص کام بھی کرنا پڑتا ہے جو انکے اس عالم پیری میں نسبتاً زیادہ ہے۔ اس لیے ان کی
بابت میں نے آج کی تاریخ سے ڈھائی سو روپیہ انکی ماہوار خاص میں اضافہ کیا ہے۔ اور یہ ماہوار خاص علاوہ منصب کے ہوگا بابت کارگذاری
اسکی اطلاع انکو دیدی جائے۔

۱۳ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ - دو شنبہ

9
24 DEC 1912

کنگ کوٹھی

مدار المہام سالار جنگ بہادر

چونکہ دوسرے معتمدین جو ازروئے سروس و رینک فریدون جنگ بہادر سے جونیئر ہیں انکی ماہوار فریدون جنگ بہادر کی ماہوار سے بڑھی ہوئی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ فریدون جنگ بہادر کی ماہوار میں ان سے پیچھے رہیں لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ میری تخت نشینی کی یادگار میں فریدون جنگ بہادر کی ماہوار خاص میں حکم ہذا کی تاریخ سے اور ڈھائی سو روپیہ کا اضافہ کروں تاکہ انکی ماہوار بھی مثل دیگر دوسرے معتمدین کے تین ہزار روپیہ ہو جائے۔ نظر بر ان اسکے متعلق جلد انتظام مناسب عمل میں آوے اور اسکی اطلاع فریدون جنگ بہادر کو کر دی جائے۔

۹ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ یکشنبہ

کنگ کوٹھی

مدارالمہام صاحب سالار جنگ بہادر

مجھکو بخوبی معلوم ہے کہ میرے والد مرحوم کے وقت میں فریدون جنگ بہادر ایک زمانہ تک اپنے نازک خدمات کو کس عمدگی و خیرخواہی سے انجام دئے ہیں جسکی وجہ حضرت مرحوم انسے بہت خوش رہے - اور اب بھی میں دیکھتا ہوں کہ میری تخت نشینی کے زمانہ سے اپنے خدمات کو وہ نہایت جانفشانی و خیرخواہی سے انجام دے رہے ہیں - چونکہ خیرخواہوں کی قدردانی شعار سلاطین آصفیہ ہے اسلئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ معتمدین میں انکو کوئی خصوصیت حاصل ہو - نظر بران میں نے انکے پوزیشن و پوسٹ کے لحاظ سے انکو (پولیٹکل صدرالمہام دیوانی) کے لقب سے ملقب کیا ہے - اور یہ دوسرے معتمدین کے لئے انکی نظیر نہیں ہوسکتی - پس اسکا اعلان بذریعہ جریدۂ غیر معمولی شایع کردیا جائے -

۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ - جمعہ

۵۲۳

26 SEP 1914

کنگ کوٹھی

فرمان

سر فریدون الملک بہادر نے جس جانفشانی ۔ وفاداری ۔ وخیر خواہی سے ایک مدت دراز تک سیاسی خدمات انجام دئے ہین انکی مین دل سے قدر کرتا ہون ۔ اور مجھے افسوس ہے کہ اونکی پیرانہ سالی کی وجہ سے مجھے مجبوراً اونکو وظیفہ دینا ہوا ۔ (گو میرا خیال تھا کہ ابھی اور چند روز تک انکو بر سر خدمت رکھون) ۔ زمانہ گذشتہ مین میرے والد مرحوم کے وقت اور (۷) سال سے میری تخت نشینی کے زمانہ سے انہون نے خاص خاص موقعون پر جو نمایان خدمات انجام دئے تھے وہ بنظر استحسان دیکھے گئے اور یہی باعث تھا کہ مین خاص طور پر صمار کا اضافہ انکے وظیفہ مین منظور کرتا ہون علاوہ الـ وظیفہ (جسکا استحقاق اونکو ازروے قاعدہ ہے) والـ ماہوار خاص ہے یعنے جملہ وظیفہ کی مقدار اعـ صمار کلدار ہوگی ۔ اور مجھے امید قوی ہے کہ باوجود وہ خدمت سے علحدہ ہونے کے وہی جان نثاری و خیر خواہی مالک و ملک کو اپنا مطمح نظر رکھکر اپنے چند انفاس آخری تک کام کرینگے ۔ جو باعث میری خوشنودی کا ہوگا ۔ آخر مین بادل ناخواستہ مین اونکا وظیفہ منظور کرتا ہون ۔"

دستخط مبارک اعلیحضرت قدر قدرت مدظلہ

شرح دستخط امین جنگ

سید خورشید علی
مددگار معتمد فینانس

فخر الدین احمد
معتمد فینانس

گاندھی جی کا دورۂ حیدرآباد

گاندھی جی نے ۶۵ سال قبل ۱۹۳۴ء میں حیدرآباد کا دورہ کیا تھا۔ ان کا قیام سروجنی نائیڈو کی رہائش گاہ گولڈن تھری شولڈ واقع نامپلی اسٹیشن روڈ پر تھا۔ گاندھی جی کے اس دورے کا ہریجن سدھار تحریک کے سلسلے میں اہتمام کیا گیا تھا۔ اس طرح اس دورے کا ایک اہم مقصد یہاں ہم خیال عوامی شخصیتوں سے ملاقات کرنا اور کسی نہ کسی طرح عوام سے رابطہ پیدا کرنا بھی تھا۔ ریاست حیدرآباد اس زمانے میں برطانوی ہند کی ایک دیسی ریاست تھی۔ گاندھی جی کے اس دورے سے متعلق راز کی جو مسل آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹیٹوٹ کے محافظ خانے کے لاتعداد کاغذات سے دستیاب ہوئی ہے اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں برطانوی ہند کی مرکزی حکومت کے زیر اثر اور خود ریاست کی اپنی داخلی صورت حال کے تقاضوں کے مدنظر عوامی شخصیتوں کی مصروفیات پر کس قسم کی تحدیدات عائد کی جاتی تھیں۔ اس مسل سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ گاندھی جی نے ۱۹۳۴ء سے پانچ سال قبل یعنی ۱۹۲۹ء میں بھی حیدرآباد کا دورہ کیا تھا لیکن یہ مضمون صرف ۱۹۳۴ء کے دورے کے تعلق سے متذکرہ بالا راز کی مسل سے حاصل ہونے والے مواد کی بنیاد پر قلم بند کیا گیا ہے جس کی وجہ سے گاندھی جی کی حیدرآباد میں آمد اور ان کی مصروفیات کی نسبت کی گئی سرکاری کارروائی اور دورہ حیدرآباد کے موقع پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں پہلی بار اہم معلومات سامنے آرہی ہیں۔ اس راز کی مسل میں موجود مواد کا ترتیب وار خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

وامن نائک، صدر نشین ہریجن سیوا سنگھ نے اپنے ایک مکتوب مورخہ ۲۸ اسفندار ۱۳۴۳ف م ۳۰ جنوری ۱۹۳۴ء کے ذریعے راجا وینکٹ رامار یڈی بہادر کوتوال بلدہ کو لکھا تھا کہ مہاتما گاندھی ہریجن تحریک یعنی چھوت چھات کو دور کرنے کی غرض سے حیدرآباد تشریف لارہے ہیں جو ایک سوشیل کام ہے۔ پبلک میٹنگ میں اڈریس پیش کرنے کے سواء کوئی تقریر نہیں ہوگی اور اڈریس کے جواب میں مہاتما جی اچھوت ادہار کی نسبت ہی لوگوں کو توجہ دلائیں گے۔ طلبہ بھی اپنے طور پر علحدہ اڈریس پیش کرنا چاہتے ہیں اس لئے ان کو موقع دیا جارہا ہے۔ ان کو بھی مہاتما جی ہریجن ادہار کے کام میں دلچسپی لینے کے لئے نصیحت فرمائیں گے

اور گاندھی جی خواتین کو بھی اس بارے میں نصیحت کریں گے۔ اس کے علاوہ سلطان بازار میں جو کھادی کی دکان ہے اس کی ایک شاخ چار کمان میں قائم کر کے اس کا افتتاح گاندھی جی سے کرایا جائے گا۔ اس کے سواء کوئی اور کام پروگرام میں شامل نہیں ہے۔ اس لئے امید ہے کہ اجازت مرحمت فرمائی جائے گی۔

کوتوال بلدہ نے اپنے مراسلے مورخہ ۳۰ جنوری ۱۳۳۴ء موسومہ معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ کے ساتھ وامن نائک کا مکتوب منسلک کرتے ہوئے لکھا کہ پبلک میٹنگ کی اجازت دینے میں کوئی امر مانع نہیں پایا جاتا کیوں کہ یہ ہریجنوں کی بہبودی کا کام ہے لیکن اڈریس پیش کرنے کا مسئلہ غور طلب ہے۔ طلبہ کی جانب سے بھی علحدہ اڈریس پیش ہوگا۔ اس کے متعلق ناظم تعلیمات کو توجہ دلانا مناسب ہوگا کہ طلبہ اس میں حصہ نہ لیں کیوں کہ یہ نیم پولیٹکل امر ہے۔ بمقام لنگم پلی ہریجن سیوا سمیتی کا افتتاح بھی ہوگا جو ایک سوشیل کام ہے۔ اس کی اجازت دینے میں بھی بظاہر کوئی امر مانع نہیں پایا جاتا۔ بہر حال جن امور کے متعلق حکم ہوگا اس پر حسبہ عمل کیا جائے گا۔ اس سے ایک روز قبل ہی کوتوال بلدہ نے اپنے ایک مراسلے کے ذریعہ یہ اطلاع دی تھی کہ گاندھی جی ۸ا فبروری ۱۹۳۴ء کو آٹھ بجے صبح حیدرآباد پہنچ رہے ہیں۔

گاندھی جی کو حیدرآباد آنے کی اجازت دینے کے بارے میں حکومت ریاست حیدرآباد کے ارباب ذمہ دار میں اختلاف رائے تھا۔ معتمد عدالت و کوتوالی اور صدر ناظم کی رائے تھی کہ گاندھی جی کو حیدرآباد آنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے اگرچہ ان کا قیام صرف پانچ گھنٹے رہے گا لیکن اپنا جو اثر وہ چھوڑ جائیں گے وہ عرصے تک قائم رہے گا۔ صدر المہام کوتوالی نے رائے دی کہ گاندھی جی کی آمد پر امتناع عائد کرنا مناسب نہیں البتہ چند شرائط کا عائد کرنا مناسب رہے گا۔ مہدی یار جنگ، صدر المہام سیاسیات نے یہ رائے تحریر کی کہ گاندھی جی کے پروگرام کے سلسلے میں روک ٹوک اور قیود عائد کرنے سے بہتر یہ ہوگا کہ انہیں آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ انہوں نے اپنے پرچہ اختلاف رائے میں لکھا "میں بذات خود گاندھی جی کے آنے کے خلاف نہیں ہوں بلکہ میں ان شروط کے ساتھ جو عائد کی گئی ہیں ان کے آنے سے ان کا نہ آنا بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ آجائیں گے اور ان کو دیکھ کر عوام الناس میں جوش اور ولولہ پیدا ہوگا اس وقت جلوس کو روکنا اور ان کو تقریر بھی نہ کرنے دینا رعیت کی نظروں میں رعیت کی عدم آزادی کی ایک بین دلیل اور چشم دید نظیر ہوگی اور لوگوں میں اس سے بد دلی پیدا ہوگی جس سے مخالفین کو ایجی ٹیشن کے لئے بہترین

موقع ملے گا۔ سب سے بہتر یہ ہوتا کہ ان کو تقریر اور جلوس کی اجازت دی جاتی" شنو کس ٹرنچ، صدر المہام کوتوالی نے مہاراجا سر کشن پرشاد، صدر اعظم کے نام ایک نوٹ (راز) روانہ کیا جس میں گاندھی جی کے مجوزہ دورے کے سلسلے میں مزید چند تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ اس نوٹ میں یہ اطلاع بھی درج تھی کہ گاندھی کے پروگرام میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے اور وہ ۱۸ فبروری کی بجائے ۹ مارچ کو حیدر آباد پہنچنے والے ہیں۔ یہ کارروائی باب حکومت کے اجلاس منعقدہ ۱۳ فبروری ۱۹۳۴ء میں پیش ہوئی جس میں یہ قرار داد منظور کی گئی۔ "سوائے معزز رکن تعمیرات (عقیل جنگ بہادر) کے جن کی رائے میں گاندھی جی کو یہاں آنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے بقیہ سب کے اتفاق سے قرار پایا کہ شرائط مندرجہ نوٹ معزز رکن کوتوالی مورخہ ۵ فبروری ۳۴ف کے مطابق گاندھی جی کو بلدہ آنے کی اجازت دی جائے۔" باب حکومت کی اس قرار داد کی منظوری کے بعد معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ نے اپنے مراسلے مورخہ ۱۷ فبروری ۱۹۳۴ء کے ذریعے کوتوال بلدہ کو لکھا کہ "گاندھی جی کے دورہ حیدر آباد کے موقع پر صرف ایک جلسہ کی اجازت دی جاتی ہے جو ویوک وردہنی تھیٹر کی بجائے لنگم پلی میں منعقد ہو اور اس جلسہ میں مہاتما گاندھی کو اس شرط سے تقریر کرنے کی اجازت دی جائے کہ وہ اس تقریر میں سیاست سے دور رہیں اور اپنی تقریر کو صرف ہریجن تحریک تک محدود رکھیں۔ اس جلسے میں ایک اڈریس پبلک کی جانب سے پیش کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور اڈریس کا کوئی تعلق سیاست سے نہ ہونا چاہیے اور اس کو انعقاد جلسہ سے ایک ہفتہ قبل بغرض منظوری حکومت میں پیش کیا جائے۔

۹ مارچ ۱۹۳۴ء کو گاندھی جی کی حیدر آباد میں مصروفیات کے سلسلے میں جو پروگرام بنایا گیا تھا وہ حکومت کو پیش کیا گیا جس میں صدر المہام کوتوالی نے چند ترمیمات کیں جنہیں باب حکومت کے اجلاس میں منظور کیا گیا اور حسب ذیل تفصیلی مرممہ پروگرام کی منظوری کی اطلاع بذریعہ مراسلہ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۳۴ء کوتوال بلدہ کو دی گئی اور ہدایت دی گئی کہ شرائط کی پوری پابندی کے ساتھ نگرانی کی جائے۔

(۱) اسٹیشن سے کوئی جلوس نہیں نکلنا چاہیے۔ گاندھی جی اسٹیشن سے قیام گاہ (گولڈن تھری شولڈ) اور وہاں سے میدان ویوک وردہنی تھیٹر جائیں گے۔ ان کے اسٹیشن سے روانگی کے پانچ منٹ بعد دوسری موٹریں جانی چاہیں۔ (۲) لنگم پلی کی بجائے ویوک وردہنی تھیٹر میں پبلک کی جانب سے کیسہ زر اور اس اڈریس کو پیش کرنے کی اجازت دی جاتی ہے جس کا مسودہ وصول ہو چکا ہے (۳) طلبہ کی جانب سے کوئی اڈریس وغیرہ کہیں بھی پیش نہ ہونا چاہیے

(۴) گاندھی جی دس بجے سے دو بجے تک گولڈن تھری شولڈ میں آرام لیں، یہاں کوئی فنکشن نہ ہو (۵) گلزار حوض کے پاس کھادی کی دکان کے افتتاح کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ (۶) ہریجن بستی اور مہادیا لیہ واقع لال دروازہ کے معائنے اور شانتی سماج واقع مہاراج گنج اور ہندی لائبریری واقع حشمت گنج سلطان بازار جانے کی اجازت دی جاتی ہے۔ ان مقامات پر کوئی پبلک فنکشن نہیں ہوگا (۷) عورتوں کو علحدہ جلسہ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ صبح میں ویوک وردھنی تھیٹر میں جو اڈریس پبلک کی جانب سے ہوگا اس کے بعد عورتیں بھی جلسہ کر سکتی ہیں۔ (۸) ہریجنوں سے بمقام آدی ہندو سوشیل سروس لیگ بلڈنگ ملاقات کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہاں کوئی پبلک میٹنگ نہیں ہونی چاہیے۔

گاندھی جی کی آمد کے سلسلے میں شہر میں جو سرگرمیاں جاری تھیں اس بارے میں کوتوال بلدہ کی جانب سے وقتاً فوقتاً معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ کو اطلاعات فراہم کی جارہی تھیں جن میں چند اطلاعات مندرجہ ذیل ہیں۔

ایک مراسلے میں یہ لکھا گیا تھا کہ مس پدمجا نائیڈو نے گاندھی جی کو بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ یہاں سے زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار روپے چندہ جمع کر کے بھیجا جائے گا۔ اگر گاندھی جی آنا چاہتے ہیں تو تاریخ کا تعین کر کے مطلع کریں ورنہ تشریف نہ لانے کی صورت میں جمع کردہ رقم ان کے پاس بھیج دی جائے گی۔ ایک اور مراسلے کے ذریعے ہریجن سیوک سنگھ کی جانب سے انگریزی میں اپیل شائع کرنے اور تقسیم کرنے کی اطلاع دی گئی تھی جس میں استقبالیہ کمیٹی میں شریک ہونے، گاندھی جی کا شایانِ شان خیر مقدم کرنے اور ہریجن سدھار جیسے اعلیٰ مقصد کے لئے چندہ دینے کی درخواست کی گئی تھی۔ ایک مراسلے میں یہ اطلاع درج تھی کہ آریہ سماج ہفتہ وار ویدک آدرش جس کے ایڈیٹر وغیرہ کے تمام فرائض در پردہ مسٹر نریندر پرشاد سکسینہ انجام دیتے ہیں گاندھی جی کی آمد کے موقع پر ایک اسپیشل نمبر شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس میں ہریجن تحریک سے متعلق یہاں کے مقامی لیڈروں کے مضامین ہونگے۔ ممکن ہے کہ دوسرے چند اخبار بھی اسپیشل نمبر شائع کریں۔

گاندھی جی نے مقررہ تاریخ یعنی ۹ مارچ ۱۹۳۴ء کو حیدرآباد کا دورہ کیا تھا اور یہاں مختلف پروگراموں میں حصہ لیا تھا لیکن اس دورہ کے تعلق سے بعض بیرونی اخبارات بشمول روزنامہ ہندو مدراس میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں ان سے یہ تاثر پیدا ہو رہا تھا کہ پولیس کی روک ٹوک کی وجہ سے گاندھی جی کو اپنا دورہ حیدرآباد منسوخ کرنا پڑا تھا لیکن کوتوال بلدہ نے روزنامہ ہندو مدراس میں شائع شدہ خبر کے سلسلے میں ایک مراسلہ مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۴ء

معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ کو روانہ کیا تھا جس میں کوتوال بلدہ نے اس خبر کو حقیقت سے بعید قرار دیتے ہوئے تفصیلی وضاحت کی تھی ۔ اس مراسلے کا خلاصہ درج ذیل ہے ۔

اخبار ہندو مدراس مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۳۴ء میں جو خبر گاندھی جی کے تنسیخ پروگرام سے متعلق شائع ہوئی ہے وہ در حقیقت صحیح نہیں ہے بلکہ اس بارے میں صحیح واقعات یہ ہیں کہ باب حکومت کے فیصلے کی بناء پر جو پروگرام منظور کیا گیا تھا اس میں گاندھی جی کے کھادی بھنڈار واقع چار کمان کو جانے اور معائنہ کرنے کا تذکرہ نہیں تھا اور اس منظورہ پروگرام کے بموجب متعلقہ افراد کو احکام جاری کیے گئے تھے اور انتظامات عمل میں لائے گئے تھے ۔ مسٹر وامن نایک کو ان کی درخواست کے جواب میں منظورہ پروگرام کی اطلاع دے کر اس کی پابندی کے لئے لکھ دیا گیا تھا لیکن ۸ مارچ ۱۹۳۴ء یعنی گاندھی جی کی آمد سے ایک روز قبل سات بجے شام وامن نائک کے پاس سے ایک دوسرا مرمہ پروگرام Revised Programme بغیر کسی تحریری درخواست کے وصول ہوا ۔ اس پروگرام میں گاندھی جی کے کھادی بھنڈار واقع چار کمان اور ہریجن ہاسٹل واقع لنگم پلی جانے کا ذکر تھا ۔ یہ پروگرام اسی شب صدر المہام کوتوالی کے ملاحظہ میں پیش کیا گیا ۔ اس پروگرام میں بمقابلہ منظورہ پروگرام کے زائد اندراجات تھے جن کے بارے میں صدر المہام کوتوالی نے کہا کہ باب حکومت کی منظوری کے بغیر منظورہ پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور چونکہ یہ پروگرام بہت دیر سے وصول ہوا ہے اس لئے منظورہ پروگرام کی پوری پابندی ضروری ہے ۔ البتہ تبدیلی اوقات میں کوئی امر مانع نہیں ۔ کوتوال بلدہ نے ان احکام کی اطلاع مسٹر وامن نائک کو بذریعہ ٹیلی فون دیدی اور منظورہ پروگرام کی پابندی کو ضروری قرار دیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر وامن نائک کو کچھ غلط فہمی ہوئی جو انہوں نے گاندھی جی کو کھادی بھنڈار واقع چار کمان لے جانا چاہا جو کہ گاندھی جی کے دورے کے مقررہ راستہ پر نہیں تھا جس پر مقامی پولیس آفسیر نے مسٹر وامن نائک سے یہ کہدیا کہ کھادی بھنڈار کا معائنہ پروگرام میں شامل نہیں ہے ۔ چنانچہ گاندھی جی ہندو مہا ودیالیہ واقع لال دروازہ جاکر بعد معائنہ راست مسز سروجنی نائیڈو کے مکان واپس ہوئے جس سے پروگرام کو منسوخ کرنا ظاہر ہوا لیکن جب کوتوال بلدہ کو جو گاندھی جی کے اس دورے کے موقع پر منظورہ مقامات کی گشت بغرض نگرانی کر رہے تھے پتہ چلا کہ گاندھی جی نے اپنا پروگرام منسوخ کر دیا ہے تو وہ سیدھے گاندھی جی سے ملاقات کے لئے مسز سروجنی نائیڈو کے مکان کو گئے اور گاندھی جی کو ہریجن سیوک سمیتی کے کارپردازوں کی جانب سے کی گئی کارروائی اور سرکاری احکام سے واقف کروایا جس سے

گاندھی جی ہر طرح مطمئن ہوئے لیکن گاندھی جی نے کہا کہ صبح کی مصروفیات پر اب عمل کرنا محال ہے اس لئے سہ پہر کی مصروفیات کو جاری رکھا جائے گا یعنی پبلک میٹنگ وغیرہ کی تکمیل کی جائے گی جس میں وہ لوگ بھی شریک ہوسکتے ہیں جو گاندھی جی کی صبح کی مصروفیات کے منسوخ ہونے کی وجہ سے محروم رہ گئے تھے۔ گاندھی جی کے سہ پہر میں جو پروگرام مقرر تھے ان میں شرکت کے بعد شام میں گاندھی جی سکندرآباد چلے گئے۔

کوتوال بلدہ کے اس مراسلے سے حکومت ریاست حیدرآباد کے اس موقف کی وضاحت ہوتی ہے کہ گاندھی جی کو منظورہ پروگرام پر عمل کرنے سے روکا نہیں گیا تھا اور اس پر تحدیدات عائد نہیں کی گئی تھیں البتہ جو مصروفیات منظورہ پروگرام میں شامل نہیں تھیں ان کی حد تک گاندھی جی کو روکا گیا تھا کیوں کہ حکومت اور پولیس کی جانب سے ان زائد مصروفیات کے سلسلے میں درکار بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔

ماخذ

مسل ۴۳/ ۵۹ مرتبہ دفتر معتمد سرکار عالی صیغہ عدالت و توکوالی و امور عامہ (راز کوتوالی)
مقدمہ:۔ تحریک کوتوال صاحب بلدہ نسبت انتظامات۔ کٹنگ اخبار فری پریس نسبت مہاتما گاندھی کا دورہ کرناٹک وورود حیدرآباد

مولانا شوکت علی اور ریاست حیدر آباد

مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی، علی برادران کے نام سے بھی مشہور تھے۔ یہ دونوں بھائی ذیلی براعظم ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے دو اہم کردار ہیں۔ گاندھی جی اور دوسرے اہم قائدین سے ان کے نہایت قریبی تعلقات تھے۔ علی برادران میں مولانا شوکت علی بڑے بھائی تھے۔ سابق ریاست حیدر آباد کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خان آصف سابع اپنے دونوں لڑکوں اعظم جاہ اور معظم جاہ کے ازدواجی رشتے خلیفہ ترکی کے خاندان میں طے کروانا چاہتے تھے اور انہوں نے اپنے بڑے فرزند کا رشتہ طے کروانے کے لئے مولانا شوکت علی کی خدمات سے استفادہ کیا تھا۔ مولانا نے آصف سابع کی خواہش اور ہدایت کے مطابق ان کے بڑے فرزند اور ریاست کے ولی عہد اعظم جاہ کا رشتہ خلیفہ ترکی سلطان عبدالمجید خان افندی کی اکلوتی صاحبزادی سے طے کروایا تھا۔ مولانا شوکت علی کی اس خدمت کے صلے میں اور ان کی ذی حیثیت شخصیت کا خیال کرتے ہوئے آصف سابع نے ان کے نام دوسری جنگ عظیم سے قبل دو سو روپے ماہانہ گراں قدر وظیفہ جاری کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ استقدای اثر سے اس وظیفے کا بقایا بھی ادا کیا گیا اور مولانا شوکت علی کی رحلت کے بعد اس وظیفے کا ایک حصہ ان کے خاندان کی امداد کے لیے ادا کیا جاتا رہا۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹیٹوٹ کے ریکارڈز کی چھان بین کے بعد راز کی ایک مسل سے یہ مواد پیش کیا جارہا ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آصف سابع اور ان کی حکومت کی جانب سے مستحق اور برگزیدہ شخصیتوں کے ساتھ کس سخاوت اور دردمندی کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ یہ ایسے حقائق ہیں جن سے شاید ہی کوئی واقف ہو کیونکہ اس تعلق سے کوئی مستند مواد شائع نہیں ہوا ہے۔ مولانا شوکت علی کو مالی امداد جاری کرنے کی کارروائی کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع نے حسب ذیل فرمان مورخہ ۱۵/ مارچ ۱۹۳۶ء کے ذریعے شوکت علی کے نام تاحیات مالی امداد جاری کرنے کا خیال ظاہر کرتے ہوئے کونسل (کابینہ) کی رائے طلب کی۔

"مولوی شوکت علی نے سینیر پرنس کی نسبت خلیفہ ترکی کی صاحبزادی سے قرار دینے کے متعلق میری ہدایات کے مطابق جو کچھ قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اس سے غالباً کونسل ناواقف نہیں ہے اور اس وقت مولوی صاحب سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اطمینان کر لیں کہ جب وقت آئے گا اس کا کیا صلہ ملے گا میں ضرور غور کروں گا۔ چنانچہ دہلی میں جب یہ مجھ سے خانگی میں ملنے آئے تو ایک طرح سے میرے وعدہ کی یاددہانی کی تھی اور دوسری طرف اپنی مالی مشکلات کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ الحاصل اس بناپر لکھتا ہوں جب کہ ریاست حیدرآباد نے محض رعایت کی بناء پر کئی اشخاص کو معقول وظیفے دئے ہیں (بغیر اس لحاظ کے کہ انہوں نے کوئی خدمات بھی ملک و مالک کی بجالائے ہیں یا نہیں) تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس شخص کو صلے سے محروم کیا جائے جو کہ درحقیقت اپنی بساط کے موافق اپنے قول و فعل سے بکار آمد ہونا کا ثبوت دیا ہے۔ پس مناسب ہوگا کہ اس تاریخ سے جب کہ برادران والاشان بعد عقد نائیس (جنوبی فرانس) سے حیدرآباد مراجعت کئے ہیں مولوی صاحب کے نام دو سو روپے کلدار (یعنی جنوری ۱۹۳۲ء سے) اذوقہ تاحیات جاری کیا جائے جو کہ اس وقت ان کی بہت امداد کا باعث ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ کونسل کو میری رائے سے پورا اتفاق ہوگا۔ بعد ختم تعطیلات عشرہ محرم کونسل اپنی رائے سے متعلق عرض داشت میرے ہاں پیش کرے۔"

کونسل کو آصف سابع کی رائے سے پوری طرح اتفاق نہیں تھا چنانچہ اس نے اپنے ایک اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی کہ مولانا شوکت علی صاحب کے سابقہ و حالیہ ریکارڈ کے مدنظران کے نام ایک سو روپے ماہانہ بطور اذوقہ تاریخ منظوری سے اجرا ہونا مناسب ہوگا نہ کہ استقدامی اثر سے۔ کونسل کی اس منظورہ قرارداد کو ایک عرضداشت مورخہ ۱۰/ جون ۱۹۳۶ء کے ذریعے آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے پیش کیا گیا مگر اس عرضداشت پر جس میں کونسل کی قرارداد درج تھی آصف سابع کا کوئی فرمان صادر نہیں ہوا۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ آصف سابع چاہتے تھے کہ کونسل ان کی رائے کے مطابق مولانا شوکت علی کے لئے استقدامی اثر کے ساتھ دو سو روپے ماہانہ وظیفہ کی سفارش کرے لیکن جب کونسل نے ایک

سو روپے ماہوار تاریخ منظوری سے جاری کرنے کی سفارش کی تو انہوں نے کونسل کی قرار داد کو منظوری نہیں دی ۔اسی اثناء میں مولانا شوکت علی نے اپنے ایک مکتوب مورخہ ۱۴/ اگست ۱۹۳۷ء موسومہ صدر اعظم ریاست حیدر آباد میں لکھا" مجھ کو علم ہوا تھا کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام نے از راہ ہمت افزائی اور قدر دانی میرے لیے دو سو روپے کلدار کا منصب مقرر فرمایا تھا اور وہ بھی یکم جنوری ۱۹۳۲ء سے جب کہ اعلیٰ حضرت کے حکم کے مطابق میں نے ہزہائنس پرنس کی شادی کا خلیفہ سلطان عبد المجید خان افندی کی صاحبزادی سے انتظام کرایا تھا۔ خدائے برتر نے اس سعی میں کامیابی عطا فرمائی تھی اور میں اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ ایسا نیک کام سرانجام پایا" مولانا شوکت علی نے اپنے خط کے آخر میں لکھا کہ بعض وجوہ کی بناء پر آصف سابع کے فرمان کی اب تک تعمیل نہیں ہوئی ہے ۔اس لیے درخواست ہے کہ اس بارے میں آصف سابع کا آخری حکم حاصل کر کے ان کے معاملے کا تصفیہ کر دیا جائے ۔مولانا شوکت علی کا یہ خط باب حکومت کے اجلاس منعقدہ ۱۸/ اگست ۱۹۳۷ء میں پیش ہوا اور اس بارے میں باب حکومت نے یہ قرار داد منظور کی کہ کونسل مکرر غور کرنے کے بعد عرض کرتی ہے کہ اگر منشاء مبارک یہ ہے کہ یکم جنوری ۱۹۳۲ء ہی سے دو سو روپے ماہور وظیفہ جاری کر دیا جائے تو حسب تعمیل کی جائے گی ۔سر اکبر حیدری، صدر اعظم نے اسی روز باب حکومت کی قرار داد ایک عرض داشت میں درج کر کے اسے آصف سابع کے احکام کے لیے پیش کیا۔آصف سابع نے اس عرض داشت پر اپنے فرمان مورخہ ۲۲/ اگست ۱۹۳۷ء کے ذریعے مولانا شوکت علی کے نام یکم جنوری ۱۹۳۲ء سے دو سو روپے کلدار جاری کرنے کی منظوری دیتے ہوئے یہ احکام بھی صادر کیے کہ بقایا کی رقم فیننانس میں محفوظ رکھی جائے جس کی نسبت بعد میں حکم مناسب صادر کیا جائے گا۔بقایا کی رقم کی ادائی کے سلسلے میں کوئی تاخیر روا نہیں رکھی گئی اور صرف دو روز بعد ہی کاظم یار جنگ، چیف سکریٹری دفتر پیشی اور سر اکبر حیدری، صدر اعظم کو آصف سابع کے یہ احکام ملے کہ مولانا شوکت علی سے جو اس وقت حیدر آباد میں موجود تھے دریافت کیا جائے کہ اگر انہیں منظورہ ماہور کا بقایا ادا کر دیا جائے تو وہ اس رقم کو کس طرح استعمال کریں گے ۔مولانا شوکت علی نے اس استفسار پر کاظم یار جنگ سے کہا کہ اس بارے میں آصف سابع کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ وہ چند سال سے اپنا وقت قومی اور اسلامی خدمت کے بعد زراعت اور باغبانی میں صرف کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنے فرزند کو

بھی اس کام میں مشغول کر دیا ہے ۔ انہوں نے بھوپال میں کچھ زمین خریدی ہے اور نواب بھوپال نے بھی کچھ اراضی ان کو دی ہے جس پر انہوں نے آم اور دیگر پھلوں کے ہزار درخت قرض لے کر لگائے ہیں ۔ ان زمینات پر باغبانی کے علاوہ زراعت بھی کی جارہی ہے ۔ آصف سابع کی جانب سے عنایت ہونے والی رقم میں سے وہ پہلے چار ہزار روپے کا مکان خرید کر اپنی بھاوج (اہلیہ مولانا محمد علی مرحوم) کی رہائش کے لئے دینا چاہتے ہیں ۔ بقیہ رقم وہ بعد ادائی قرضہ ، زراعت اور باغبانی پر صرف کریں گے جسے وہ تجارتی اصول پر چلارہے ہیں ۔ مولانا شوکت علی نے ایسا ہی جواب سر اکبر حیدری صدر اعظم کو بھی دیا جس کی اطلاع سر اکبر حیدری نے ایک مراسلے کے ذریعہ کاظم یار جنگ کو بھیج دی ۔ مولانا شوکت علی کے جواب سے آگاہ ہونے پر آصف سابع نے اپنے فرمان مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۳۷ء کے ذریعے مولانا شوکت علی کو یکم جنوری ۱۹۳۲ء سے دو سو روپے کلدار ماہوار کے حساب سے بقایا کی رقم ایصال کرنے کے احکام صادر کئے ۔ اس فرمان کی تعمیل میں مولانا شوکت علی کو ساڑھے پانچ سال سے زیادہ مدت کا بقایا ادا کیا گیا ۔ مولانا نے ماہانہ وظیفہ صرف ایک سال دو ماہ تک حاصل کیا کیونکہ نومبر ۱۹۳۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا ۔ ان کے انتقال پر ان کے فرزند زاہد علی نے سر اکبر حیدری کو لکھا کہ وہ اپنے والد کے انتقال کے باعث ناقابل بیان پریشانیوں میں مبتلا ہیں ۔ ان کے وسیع خاندان کے لیے ان کے والد ہی ذریعہ پرورش تھے اور ان کے انتقال پر ان کے تمام ذرائع آمدنی یکایک رک گئے ہیں ۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ ریاست حیدرآباد کے ماہوار وظیفے اور لجسلیٹیو کونسل کے قلیل الاونس سے ان کے والد اپنے وسیع خاندان کی بمشکل پرورش کیا کرتے تھے اور مولانا اپنے نواسوں کی تعلیم کے اخراجات بھی ادا کیا کرتے تھے جو اس وقت علی گڑھ میں زیر تعلیم ہیں ۔ انہوں نے اپنے مکتوب میں یہ بھی تحریر کیا کہ اس بات سے سب واقف ہیں کہ مولانا مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی مرحوم نے اپنی زندگی اپنے ملک ، اپنے مذہب اور ملت کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی اس لیے دونوں بھی حصول معاش سے لاپرواہ رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے پسماندگان خود کو مصیبت میں مبتلا پاتے ہیں ۔ زاہد علی نے یہ بھی لکھا کہ جہاں تک ان کا ذاتی تعلق ہے وہ اپنی جائز آمدنی سے گذر بسر کر لیں گے جیسا کہ ان کے برادر خورد زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن ان کو صرف یہی پریشانی ہے کہ مولانا کے کم عمر نواسوں اور نواسیوں کی تعلیم کس طرح ہو گی کیوں کہ ان کے والدین کی مالی حالت ابتدا ہی سے ٹھیک

نہیں تھی اسی لیے یہ ذمہ داری مولانا نے اپنے ذمے لے لی تھی ۔ مولانا مرحوم کے فرزند نے لکھا کہ اس وقت ان کی کوئی ذاتی آمدنی نہیں ہے کہ وہ اپنے خاندان کی پرورش کے علاوہ ان بچوں کو بھی تعلیم دلا سکیں ۔ اس لئے انہوں نے استدعا کی کہ جو ماہوار ان کے والد کے نام جاری ہوئی تھی وہ ان کے انتقال کی تاریخ یعنی ۲۷ نومبر ۱۹۳۸ء سے ان کے نام جاری کی جائے تاکہ وہ امداد کی رقم مولانا مرحوم کے نواسوں اور نواسیوں کی تعلیم اور دیکھ بھال پر صرف کر سکیں ۔ جب یہ کارروائی باب حکومت میں پیش ہوئی تو اس بارے میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس کے ذریعہ مرحوم کی بیوہ دختر کے نام ان کی اور ان کی اولاد کی پرورش کے لیے مولانا شوکت علی کی ماہور کا ایک ثلث یعنی چھیاسٹھ ۶۶ روپے کلدار ماہانہ مرحوم کے انتقال کی تاریخ سے جاری کئے جانے کی سفارش کی گئی ۔ اس سفارش پر آصف سابع نے مولانا شوکت علی مرحوم کی بیوہ دختر کے نام پچاس روپے کلدار اجرا کرنے کے احکام صادر کئے ۔ چونکہ مولانا کی دختر کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے ایک عرض داشت کے ذریعے باب حکومت کی قرارداد آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی جس میں منظورہ ماہوار مولانا کے نواسوں اور نواسیوں کے نام جاری کرنے کی سفارش کی گئی تھی ۔ آصف سابع نے باب حکومت کی قرارداد کو منظوری دیتے ہوئے حسب ذیل فرمان مورخہ ۱۴/ اپریل ۱۹۴۰ء صادر کیا ۔

> " کونسل کی رائے کے مطابق مولوی شوکت علی کی مرحومہ دختر کی منظورہ ماہوار پچاس روپے کلدار ان کے فرزندوں اور دختروں کے نام اس شرط سے جاری کی جائے کہ یہ ماہوار اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کوئی لڑکی نا کتخدا رہے یا کوئی لڑکا تا سن اکیس سال زیر تعلیم ہو ۔"

ماخذ

مثل دفتر پیشی صدر اعظم بہادر باب حکومت

نشان مثل (۴) باب (۳) ۳۴۵ اف صیغہ فرمان (راز)

مقدمہ :۔ اجرائی ماہوار تاحیات دو سو روپے کلدار بنام مولوی شوکت علی صاحب از جنوری ۱۹۳۲ء

ریاست حیدرآباد کی فیض رسانی

ریاست حیدرآباد کی امداد و اعانت اور سرپرستی محدود نہیں تھی اور نہ اس کا دامن تنگ تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حیدرآباد کی یہ فیض رسانی اس سرچشمہ آب کی طرح تھی جس سے سب کی تشنگی بجھتی تھی اور جس کی سیراب کرنے کی صفت لامحدود تھی۔ حیدرآباد سے اپنوں نے ہی نہیں بیگانوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔اس خطے کا ذہنی تحفظات اور تنگ دلی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ حیدرآباد کی شادابی اس باد سموم سے پوری طرح محفوظ رہی۔ اس ریاست نے نہ صرف یہ کہ ہر دست طلب کو جی کھول کر دیا بلکہ طلب اور اندازوں سے بڑھ چڑھ کر بھی فیض یاب کیا۔ اس مضمون میں صرف آخری آصف جاہی حکمراں نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع (دور حکمرانی ۱۹۱۱ء تا ۱۹۴۸ء) کے عہد کا احاطہ کیا گیا ہے تاکہ موضوع کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جاسکے۔

آصف سابع کے عہد میں ریاست حیدرآباد نے تمام شعبہ جات میں نمایاں ترقی کی تھی اور اس عہد میں ریاست کی ترقی کی رفتار دیگر آصف جاہی حکمرانوں کے ادوار کے مقابلے میں بہت تیز تھی۔ آصف سابع ریاست کو ہر شعبے میں آگے بڑھانے اور ترقی دینے کے لیے کوشاں رہے لیکن انہوں نے علوم و فنون کی سرپرستی، قدر دانی اور تعلیم کے فروغ میں غیر معمولی دلچسپی دکھائی۔ آصف سابع کی یہ دلچسپی صرف ریاست حیدرآباد اور مسلمانوں تک محدود نہیں تھی۔ وہ علم و ادب کی سرپرستی اور باکمال شخصیتوں کی خدمات کا برملا اعتراف کرتے تھے اور اس سلسلے میں کوئی امتیاز نہیں برتتے تھے۔

آصف سابع کے عہد میں ریاست حیدرآباد کی جانب سے مسلم تعلیمی اور علمی اداروں جیسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ندوۃ العلماء، دیوبند، دار المصنفین، انجمن حمایت اسلام وغیرہ کے ساتھ ساتھ جن غیر مسلم تعلیمی اور علمی اداروں کے لیے مالی امداد جاری ہوئی تھی ان میں بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور بنارس ہندو یونیورسٹی کے نام قابل ذکر ہیں۔ غیر مسلم تعلیمی اور علمی اداروں کے علاوہ وہ ادارے جو مسلم ادارے نہیں تھے بلکہ جو سیکولر اور

خالص علمی اور ادبی ادارے تھے ان کو بھی مالی مدد دی گئی تھی جیسے شانتی نکتین، آندھرا یونیورسٹی، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس بنگلور، انڈین اکیڈمی آف سائنس، تلگو اکیڈمی وغیرہ۔ ریاست حیدرآباد نے غیر مسلم تاریخی عمارتوں اور اہم تہذیبی مراکز کے تحفظ کے سلسلے میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ غارہائے اجنتا کی نقاشی کی مرمت اور کتاب "اجنتا" کی اشاعت کے علاوہ دکن کی قدیم ہندو عمارتوں پر ایک کتاب کی اشاعت کے لیے انڈیا سوسائٹی لندن کو مالی امداد جاری کی گئی تھی۔ غیر مسلم تعلیمی اور علمی اداروں کی مالی امداد اور اہم تاریخی عمارتوں کے تحفظ کے لیے کیے گئے اقدامات کے علاوہ ممتاز غیر مسلم شخصیتوں کو مناسب اور موزوں انداز میں خراج بھی ادا کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ریاست حیدرآباد میں ممتاز قومی قائد گوپال کرشن گوکھلے کے نام سے گوکھلے میموریل اسکالر شپ سے قیام کی مثال موجود ہے۔

اس مضمون میں بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور بنارس ہندو یونیورسٹی کو دی گئی مالی امداد، غارہائے اجنتا کی درستگی اور حفاظت کے لیے کیے گئے اقدامات، دکن کی قدیم ہندو عمارتوں پر کتاب کی اشاعت کے لیے جاری کردہ مالی اعانت اور گوکھلے میموریل اسکالر شپ کے قیام کے سلسلے میں کی گئی کارروائی کی تفصیلات پیش کی جارہی ہیں جو آرکائیوز کے مستند ریکارڈز سے حاصل کردہ مواد پر مبنی ہیں۔

پونا کا مشہور علمی و تحقیقی ادارہ بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، سنسکرت زبان و ادب اور قدیم ہندوستانی ثقافت پر تحقیقی کاموں کے لیے مختص رہا ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری نے ۱۹۳۲ء میں حکومت ریاست حیدرآباد کے نام درخواست میں انسٹی ٹیوٹ کی مختلف سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لیے سالانہ امداد منظور کرنے کی استدعا کی۔ باب حکومت (کابینہ) نے بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ میں ایک گیسٹ ہاوز کی تعمیر کے لئے پچیس (۲۵) ہزار روپے کلدار اور مہابھارت کی اشاعت کے لیے دس سال کی مدت تک ایک ہزار روپے کلدار سالانہ منظور کرنے کی سفارش کی۔ لفٹننٹ کرنل ٹرنچ، صدر المہام (وزیر) مال نے باب حکومت کی سفارش سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ موجود اقتصادی حالات اور مالی مشکلات کے مدنظر حکومت حیدرآباد کو یہ عطیہ نہیں دینا چاہیے لیکن آصف سابع نے باب حکومت کی رائے سے اتفاق کیا اور فرمان مورخہ ۶ سپتمبر ۱۹۳۲ء کے ذریعے بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ میں ایک گیسٹ ہاوز تعمیر کرنے کے لئے پچیس (۲۵) ہزار روپے کلدار یکمشت اور

مہابھارت کی اشاعت کے لیے ایک ہزار روپے کلدار سالانہ دس سال کے لئے منظور کئے۔ بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ کی ریگولیٹنگ کونسل نے فیاضانہ عطیے کے لئے آصف سابع کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انسٹی ٹیوٹ کی سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی۔ آصف سابع نے ریگولیٹنگ کونسل کی قرارداد قبول کرتے ہوئے بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ کی سرپرستی قبول کی۔

ریاست حیدرآباد کی جانب سے جاری کردہ پچیس ہزار روپے کی امداد سے جب بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ میں گیسٹ ہاوز کی تعمیر مکمل نہ ہوسکی تو انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری نے ایک درخواست روانہ کی جس میں استدعا کی گئی کہ گیسٹ ہاوز کی بقیہ تعمیر کے لیے ڈھائی ہزار روپے اور اس کے فرنیچر کے لیے پانچ ہزار یعنی مزید ساڑھے سات ہزار روپے عطا کئے جائیں۔ سکریٹری نے یہ بھی لکھا کہ اگر یہ امداد منظور نہ کی گئی تو عمارت نامکمل رہ جائے گی کیونکہ انسٹی ٹیوٹ خود اس سلسلے میں کچھ کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس درخواست پر محکمہ تعلیمات نے مزید امداد دینے سے اختلاف کیا۔ محکمہ فینانس نے تکمیل عمارت کے لئے صرف ڈھائی ہزار روپے منظور کرنے سے اتفاق کیا مگر باب حکومت نے مزید ساڑھے سات ہزار روپے یکمشت دینے کی سفارش کی۔ آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۱۳ سپٹمبر ۱۹۳۴ء بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ کو مزید ساڑھے سات ہزار روپے یکمشت جاری کرنے کی منظوری صادر کی۔

مہابھارت کی اشاعت کے لیے بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ کو دس سال تک ایک ہزار روپے سالانہ امداد کی منظور کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ جب یہ دس سالہ مدت قریب الختم تھی تو انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری نے کام کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے امداد کی مدت میں توسیع منظور کرنے کی درخواست کی۔ آصف سابع نے اس درخواست پر فرمان مورخہ ۱۹/ اگسٹ ۱۹۴۲ء کے ذریعے بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ کو مہابھارت کی اشاعت کے لیے مزید ایک سال کے لیے پانچ سو روپے کلدار امداد دینے کے احکام دیئے۔

غیر مسلم اعلیٰ تعلیمی اداروں میں بنارس ہندو یونیورسٹی کو جو ایک لاکھ روپے کلدار کی امداد منظور کی گئی تھی اس کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں۔ باب حکومت نے بنارس ہندو یونیورسٹی کے لئے پینتیس (۳۵) ہزار اور انجمن حمایت الاسلام لاہور کی جوبلی کے موقع پر پچیس (۲۵) ہزار روپے کی امداد کی منظوری کے لیے سفارشی قرارداد آصف سابع کی خدمت میں روانہ کی۔ آصف سابع نے اس سفارش سے اختلاف کرتے ہوئے باب حکومت کے نام یہ حکم

جاری کیا کہ بنارس ہندو یونیورسٹی اور انجمن حمایت الاسلام کو تیس تیس ہزار روپے کلدار کا عطیہ دیا جائے تاکہ ہر دو کے عطیوں کی رقم مساوی ہو ورنہ پبلک کو اعتراض ہوگا۔ بنارس ہندو یونیورسٹی کو تیس ہزار روپے کلدار عطیہ دینے کے بارے میں آصف سابع کا حکم جاری ہونے کے فوری بعد گنگا سنگھ مہاراجا بیکانیر نے جو بنارس ہندو یونیورسٹی کے چانسلر بھی تھے تحریری طور پر نمائندگی کی کہ بنارس یونیورسٹی کے لئے بڑا رقمی عطیہ منظور کیا جائے۔ آصف سابع یونیورسٹی کے لیے تیس ہزار روپے کی امداد منظور کر چکے تھے اور وہ اب اس امداد میں اضافہ کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں باب حکومت کے نام واضح انداز میں احکام جاری کر دیئے۔ مہاراجا بیکانیر کی تحریری نمائندگی کے باوجود جب آصف سابع نے یہ حکم جاری کیا کہ بنارس یونیورسٹی کو تیس ہزار روپے سے زیادہ امداد دینا ممکن نہیں ہے تو باب حکومت نے اس کارروائی پر دوبارہ غور کیا اور ایک اہم قرارداد منظور کی جس میں لکھا گیا کہ جس وقت باب حکومت نے بنارس یونیورسٹی کو پینتیس ہزار (۳۵) روپے کلدار امداد دینے کی سفارش کی تھی اس وقت باب حکومت کو ان واقعات کا پورا علم نہیں تھا جو اب حاصل ہے۔ بنارس یونیورسٹی کو مہاراجگاں جے پور وغیرہ نے کئی کئی لاکھ اور ریاست رام پور نے ایک لاکھ روپے کا عطیہ دیا ہے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی کی ہندوستان میں وہی حیثیت ہے جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ہے۔ ریاست حیدرآباد ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہے اس لئے اس یونیورسٹی کو دی جانے والی امداد اس ریاست کے شایان شان ہونی چاہیے۔ باب حکومت نے یہ سفارشی قرارداد ایک عرض داشت مورخہ ۵ جنوری ۱۹۳۹ء کے ذریعے آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لیے روانہ کی اور دو روز بعد ہی آصف سابع نے اپنے فرمان کے ذریعے بنارس ہندو یونیورسٹی کے لئے ایک لاکھ روپے کلدار کے عطیے کی منظوری صادر کر دی۔ آصف سابع نے ابتداء میں تیس ہزار روپے کا عطیہ منظور کیا تھا۔ مہاراجا بیکانیر نے خطیر رقم منظور کرنے کے لیے مکتوب روانہ کیا تھا مگر آصف سابع امداد میں اضافے یا اپنے فیصلے پر نظر ثانی کے لیے تیار نہیں تھے لیکن باب حکومت کی عرضداشت سے تفصیلی کیفیت اور صحیح واقعات کا علم ہونے پر انہوں نے اپنے سابقہ فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے ایک لاکھ روپے کا عطیہ منظور کر دیا۔

اجنتا کے غاروں کی بازیافت اور ان غاروں کی تصویروں کی درستگی و تحفظ کے بعد

انہیں حسن و فن کی شیدائیوں کے لئے زیارت گاہ بنا دینا ریاست حیدر آباد کا ایسا کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ ۱۹ ویں صدی عیسوی کی ابتداء میں ان غاروں اور تصاویر کی دریافت کے بعد سے ہی حکومت ریاست حیدر آباد نے ان کے تحفظ میں دلچسپی لینی شروع کردی تھی لیکن اس سلسلے میں اصل کام آصف سابع کے عہد میں ہوا۔ غاروں کی اندرونی خرابیوں کو دور کرنے، انہیں صاف کرنے، ان عجائب روزگار تصاویر کی مرمت و تحفظ، غاروں تک شائقین کی آمد و رفت اور وہاں پر ان کو قیام کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے ایک محکمہ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آصف سابع نے اپنی تخت نشینی کے دو سال بعد ہی سپتمبر ۱۹۱۳ء میں آثار قدیمہ کے قیام کی منظوری دی۔ ریاست میں محکمہ آثار قدیمہ اور اجنتا کی مرمت و تحفظ کی کارروائی کا آغاز ایک ساتھ ہوا۔

ڈائرکٹر جنرل آثار قدیمہ حکومت ہند کی تحریک پر آصف سابع نے اجنتا کے غاروں کی تصاویر کی حفاظت کے بارے میں مشورے کے لئے ماہر فن کو طلب کرنے کے احکام جاری کئے۔ یورپ کے ماہرین سے مشوروں کے بعد اس کام کے لیے اطالوی ماہر پروفیسر سچونی کا نام تجویز ہوا۔ اس تجویز اور سفارش پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۳ اکٹوبر ۱۹۲۰ء کے ذریعے پروفیسر سچونی اور ان کے شاگرد کو ۸ ماہ کے لئے طلب کئے جانے کے احکام دئے۔ اس فرمان کی تعمیل میں اطالوی ماہر پروفیسر سچونی اور ان کے شاگرد حیدر آباد بلائے گئے جنہوں نے اجنتا کی تصاویر کی درستگی و حفاظت کے لئے کام انجام دیا۔ انہیں منظورہ شرائط کے مطابق ۸ ماہ کی تنخواہ کرایہ آمد و رفت اور خوراک کے اخراجات ادا کئے گئے۔ غارہائے اجنتا کی تصاویر کی مرمت اور تحفظ کے بعد غلام یزدانی، ناظم آثار قدیمہ کی تجویز پر اجنتا کی تصاویر کی سہ رنگی عکسی تصاویر کی تیاری کے لیے رنگین فوٹو گرافی کے ماہر اے۔ ایل۔ والسے کو بیرون ہند سے طلب کیا گیا جنہوں نے چار ماہ قیام کے دوران اجنتا کی تصاویر کے تقریباً ایک سو عکس تیار کئے۔ ان رنگین تصاویر کے تیار ہو جانے کے بعد ناظم آثار قدیمہ نے ان تصاویر کو ایک کتاب کی شکل میں شائع کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے آصف سابع نے تین جلدوں کی اشاعت کے لیے علحدہ علحدہ فرمانوں کے ذریعہ رقمی منظوریاں دیں۔ حکومت ریاست حیدر آباد کی جانب سے انگریزی کتاب "اجنتا" کی تین جلدیں شائع کی گئیں جس کی ہر جلد دو کتابوں پر مشتمل ہے۔ ایک میں اجنتا کی تصاویر اور دوسری کتاب میں غلام یزدانی کے وضاحتی نوٹس

سامل ہیں ۔ کتاب اجنتا کے شائع ہونے پر ملک اور بیرون ملک کے ممتاز علمی و فنی جرائد اور صف اول کے اخبارات نے اعلیٰ درجے کے تبصرے شائع کئے تھے ۔

انگلستان کے ایک علمی ادارے انڈیا سوسائٹی لندن کی جانب سے براؤن اور رچرڈ نے حکومت ریاست حیدرآباد کے نام ایک یادداشت روانہ کی تھی جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ انڈیا سوسائٹی لندن کی جانب سے حیدرآباد دکن کی قدیم ہندو عمارات پر ایک کتاب کی اشاعت عمل میں آنے والی ہے ۔اس کتاب کی اشاعت کے لئے حکومت حیدرآباد سے ایک سو اڑتالیس (۱۴۸) پونڈ کی امداد منظور کرنے کی استدعا کی گئی تھی ۔اس یادداشت میں لکھا گیا تھا کہ انڈیا سوسائٹی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ ہندوستان کا ایک اہم مسلمان شاہی خاندان (آصف جاہی خاندان) ہندو اور بدھ مت کے فنی نمونوں کے تحفظ کے لیے اعانت کرچکا ہے اور اب یہ بات اس کتاب کے ذریعے طلبہ، مبصرین اور عوام پر آشکار ہوگی ۔ غلام یزدانی ناظم آثار قدیمہ نے اس یادداشت پر یہ رائے تحریر کی کہ کتاب کے (۷۵۰) نسخوں کے نصف اخراجات ۱۰۰ پونڈ مانگے گئے ہیں اور اڑتالیس پونڈ تصاویر وغیرہ کے لیے طلب کئے گئے ہیں ۔ریاست کے محکمہ آثار قدیمہ میں ریاست کی تمام عمارتوں کی متعدد تصاویر کا وافر ذخیرہ موجود ہے ۔اگر انڈیا سوسائٹی لندن عمارتوں کی فہرست بھیج دے تو ان عمارتوں کی تصاویر یہاں سے روانہ کردی جائیں گی اس طرح تصاویر کے اخراجات میں تخفیف ہوجائے گی ۔اس رائے کے اظہار کے بعد انہوں نے لکھا کہ ۱۰۰ پونڈ کی منظوری مناسب ہے ۔اس سلسلے میں عرضداشت پیش ہونے پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۸ جولائی ۱۹۳۴ء کے ذریعے مذکورہ کتاب کی اشاعت کے لیے ایک سو پونڈ کی امداد منظور کی ۔

ملک کے ممتاز سیاست داں، بہترین پارلیمنٹرین اور ماہر تعلیم گوپال کرشن گوکھلے کی شخصیت کو خراج پیش کرتے ہوئے حکومت ریاست حیدرآباد نے ۱۹۱۵ء میں گوکھلے میموریل اسکالر شپ کے نام سے ایک وظیفہ تعلیمی قائم کیا تھا ۔سابق ریاست حیدرآباد میں تعلیم کے میدان میں اس زمانے کا یہ سب سے اہم اعزاز تھا کیونکہ اس وقت تک ریاست میں عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا ۔

گوپال کرشن گوکھلے کے انتقال کے بعد بمبئی میں ان کی یادگار قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ۔اس یادگار کے قیام کے لئے آصف سابع سے بھی مالی اعانت حاصل کرنا طے پایا تھا ۔چنانچہ

گوکھلے میموریل فنڈ کی جانب سے جہانگیر بہمن جی نے آصف سابع کو ایک مکتوب روانہ کیا تھا جس میں گوکھلے میموریل کے لئے مالی امداد دینے کی درخواست کی گئی تھی ۔اس درخواست پر گلانسی وزیر فینانس اور فریدون جنگ وزیر سیاسیات نے بیرون ریاست کسی ادارے کے لئے چندہ بھیجنے کی بجائے خود اندرون ریاست حیدرآبادیوں کے لیے گوکھلے میموریل اسکالر شپ کے نام سے ایک وظیفہ تعلیمی قائم کرنے کی سفارش کی ۔اس سلسلے میں عرضداشت پیش ہونے کی دوسرے ہی روز آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۸جون ۱۹۱۷ء کے ذریعے حیدرآباد میں گوکھلے میموریل اسکالر شپ قائم کرنے کی منظوری صادر کردی ۔ بعد ازاں بذریعہ فرمان مورخہ ۲۸جولائی ۱۹۱۵ء اس وظیفے کے اجرا کے لیے ضروری شرائط کی منظوری اور ۱۹۱۵ء ہی سے وظیفہ دینے کے احکام جاری ہوئے ۔ریاست حیدرآباد میں یہ وظیفہ برسوں تک دیا جاتا رہا اور گوپال کرشن گوکھلے کی شخصیت کو خراج ادا کرنے کے ساتھ ہی ساتھ ریاست کے حکمراں اور نظم ونسق کی وسیع النظری کی یاد دلاتا رہا۔

ان مثالوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ ریاست حیدرآباد کی علمی فیاضیاں محدود اور مخصوص نہیں تھیں بلکہ سب کے لئے تھیں اور اس سلسلے میں فراخ دلی اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔

ماخذ

1) Instalment No. 83, List No.7, S.No. 92

مقدمہ:۔ نسبت عطائے امداد برائے تعمیر گیسٹ ہاوز در بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ پونا و اشاعت کتاب مہابھارت

2) Instalment No. 84, List No.5, S.No. 434

مقدمہ:۔ عطائے رقم مساوی (تیس ہزار روپے) برائے امداد بنارس ہندو یونیورسٹی و انجمن حمایت اسلام لاہور ۔عطائے ایک لاکھ روپے کلدار بہ بنارس ہندو یونیورسٹی

3) Instalment No. 79, List No.1, S.No. 900

مقدمہ:۔ ترمیم و حفاظت غار ہائے اجنتا

4) Instalment No. 78, List No.5, S.No. 236

مقدمہ:۔ اجنتا کے عجائب روزگار تصاویر کی حفاظت اور درستگی کے متعلق

5) Instalment No. 84, List No.1, S.No. 139

مقدمہ:۔ نسبت تحریک امداد انڈیا سوسائٹی لندن برائے اشاعت کتاب ہندو عمارات قدیمہ حیدرآباد دکن۔

6) Instalment No. 79, List No.3, S.No. 850

مقدمہ:۔ گوکھلے میموریل فنڈ

کنگ کوٹھی

فرمان

ملاحظہ :- عرضداشت صدر اعظم معروضہ یکم محرم الحرام ۱۳۳۹ھ جو اجنٹہ کے تصاویر کی حفاظت و درستی کی نسبت ہے۔

حکم :- صدر اعظم و صدر المہام فینانس کی رائے مناسب ہے حسبہ تصاویر مذکور کی درستی و تحفظ کے متعلق تجاویز پیش کرنے کے لئے اٹلی کے ماہر فن پروفیسر سیچونی بشرط محولہ عرضداشت (۸) و ۹ کے لئے طلب کئے جائیں۔

۷ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ یکشنبہ

فرمان

بملاحظہ: ۔ عرضداشت صیغہ تعلیمات معروضہ ۲۴۔ ربیع الثانی شریف ۱۳۵۱ھ جو پونہ کے بھنڈارکر اورینٹیل ریسرچ انسٹیٹوٹ کی امداد کی نسبت ہے۔

حکم: ۔ کونسل کی رائے مناسب ہے حسب مذکور انسٹیٹوٹ مین ایک گسٹ ہاؤس تعمیر کرنے کیلئے جو میرے نام سے موسوم ہوگا (یعنے نظام گسٹ ہاؤس) پچیس ہزار روپیہ (۲۵۰۰۰) کلدار یکمشت دئے جائین اور مہابھارت کی اشاعت کے لئے دس سال تک ایکہزار روپیہ (۱۰۰۰) کلدار سالانہ کی امداد دی جائے۔ [illegible]

۴۔ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

فرمان

بملاحظہ :- عرضداشت صیغہ تعلیمات معروضہ ۱۳۔ ذیقعدہ الحرام ۱۳۵۷ھ جو بنارس یونیورسٹی کی امداد
کے نسبت مہاراجہ بیکانیر کی استدعاء کے متعلق ہے۔

حکم :- بلحاظ واقعات مصرحہ عرضداشت کونسل کی رائے کے مطابق ہماری گورنمنٹ کی جانب سے بنارس
ہندو یونیورسٹی کے لئے ایک لاکھ روپیہ کلدار کا عطیہ منظور کیا جائے۔ اسکی اطلاع پریسیڈنٹ کونسل
بالمشافہ مہاراجہ بیکانیر کو دیدیں تو کافی ہے جسوقت وہ یہاں آجائیں۔

۱۵۔ ذیقعدہ الحرام ۱۳۵۷ھ

فرمان

بملاحظہ: — عرضداشت صیغہ آثار قدیمہ معروضہ ۲۹ صفر المظفر ۱۳۵۳ھ جو حیدرآباد کے قدیم ہندو عمارات سے متعلق کتاب شائع کرنے کیلئے انڈیا سوسائٹی لندن کو امداد دینے کی نسبت ہے۔

حکم: — کونسل کی رائے کے مطابق مذکور کتاب کی اشاعت کیلئے ایکسو پونڈ کی یکمشت امداد دیجائے۔ ([illegible])

۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۵۳ھ

حکم

بملاحظۂ :- عرضداشت صیغۂ فینانس معروضۂ ۱۵۔ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ انجمین گوکھلے موریل اسکالرشب (تیس روپیہ) ماہانہ ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکٹس حاصل کئے ہوئے بہترین طالب علم کو کن شرطوں سے دینا چاہیے اوسکے نسبت کمیٹی وظائف تعلیمی کے تجاویز برائے منظوری گزرانے گئے ہیں۔

حکم :- گوکھلے موریل اسکالرشب کے نسبت کمیٹی وظائف تعلیمی کے تجاویز معین المہام فینانس کی رائے کے مطابق منظور کئے جاتے ہیں۔ حسب اس سال بھی ایک وظیفۂ تعلیمی دیا جائے۔

۱۵۔ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ ۔ چہارشنبہ

فلسطین یونیورسٹی کے لئے گراں قدر عطیہ

آخری آصف جاہی فرمان روا نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کی تعلیم کے فروغ اور علم و ادب کی ترقی سے غیر معمولی دلچسپی اور ان کی فیاضی و داد و دہش کی شہرت دنیا کے دور دراز ملکوں تک پہنچ چکی تھی ۔ اہم تعلیمی اور علمی ادارے خواہ وہ برصغیر کے ہوں یا ان کا تعلق بیرون ملک سے ہو اپنی سرگرمیوں کو بحال اور برقرار رکھنے یا ان کو فروغ و وسعت دینے کے لئے ان کی جانب امید بھری نظروں اور یقین کے ساتھ دیکھتے تھے اور ان کی دی گئی امداد سے مستفید ہوتے تھے ۔ چنانچہ برصغیر کے کئی اہم تعلیمی و علمی اداروں کے علاوہ انگلستان اور ہالینڈ کے ادارے بھی حیدرآباد کے مالی امداد سے مستفیض ہوئے تھے ۔ یہ مضمون مفتی اعظم فلسطین حضرت سید محمد امین الحسینی کی نمائندگی پر فلسطین میں یونیورسٹی کے قیام کے لئے دیئے گئے گراں قدر عطیے کے بارے میں قلمبند کیا گیا ہے ۔ آرکائیوز کے ریکارڈز کے مواد کی بنیاد پر فلسطین میں یونیورسٹی کے قیام کے لئے دی گئی امداد کے بارے میں پیش کردہ تمام تفصیلات پہلی بار منظر عام پر آرہی ہیں ۔

مفتی اعظم فلسطین حضرت سید محمد امین الحسینی فلسطین کے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے بڑے خواہاں تھے ۔ چنانچہ انہوں نے فلسطین میں یونیورسٹی کے قیام کے لئے ایک پراجکٹ تیار کیا تھا ۔ چونکہ اس پراجکٹ کی تکمیل کے لیے کثیر سرمایہ درکار تھا اس لئے انہوں نے مالیے کی فراہمی کا ایک منصوبہ بند پروگرام بنایا ۔ اس سلسلے میں وہ ہندوستان آئے تھے اور حیدرآباد کا بھی دورہ کیا تھا یہاں انہیں ریاست حیدرآباد کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خان آصف سابع سے باریابی کا موقع ملا ۔ بعد ازاں انہوں نے ایک معروضے کے ذریعے پراجکٹ کی تکمیل کے لئے مالی امداد کی درخواست کی ۔ اس معروضے پر فلسطین میں یونیورسٹی کے قیام کے لئے ایک لاکھ روپے کلدار کی گراں قدر مالی امداد منظور کی گئی ۔ مجوزہ یونیورسٹی مالی امداد دینے کے تقریباً دس گیارہ سال بعد بھی قائم نہ ہو سکی تو وہ رقم چیف سکریٹری بیت المقدس کی درخواست پر دی جنرل عرب کمیٹی فار آرفنس ان پلسٹائن کو دے دی گئی ۔

اردو کے ممتاز شاعر اور رسالہ فاران کے ایڈیٹر ماہر القادری کے مفتی اعظم فلسطین سے شخصی مراسم تھے ۔ وہ ہندوستان ، پاکستان اور فلسطین میں مفتی صاحب سے متعدد بار مل

چکے تھے۔ ۱۹۷۴ء میں مفتی اعظم فلسطین کے انتقال پر ماہر القادری نے اپنے رسالہ فاران کے لئے ایک مضمون قلمبند کیا تھا جو ان کی کتاب یاد رفتگان میں شامل ہے۔ اس مضمون میں ماہر القادری مفتی اعظم فلسطین کے بارے میں لکھتے ہیں "اب سے پچاس برس پہلے انہوں نے فتنہ یہودیت سے عالم اسلام کو آگاہ کر دیا تھا۔ مفتی اعظم فلسطین نے اس فتنہ کی روک تھام کے لئے برسوں جدوجہد کی مگر تنہا وہ کیا کرتے۔ شروع شروع میں تو ان کے انتباہ کو شاید وہم ہی سمجھا گیا پھر بیت المقدس کے سقوط اور یہودی حکومت کے قیام کا جو المیہ ظہور میں آیا اس سے نہ صرف عربوں کو بلکہ تمام ملت اسلامیہ کی عزت و وقار کو دھچکا لگا..... مفتی اعظم فلسطین بین الاقوامی شخصیت اور عالمی شہرت کے مالک تھے۔ یورپین طاقتیں ان کی فراست کا لوہا مانتی تھیں بلکہ ان سے چوکنا اور خوف زدہ رہتی تھیں کہ فلسطین سے متعلق مسائل کو نہ جانے وہ کب کس رخ پر موڑ دیں۔"

مفتی اعظم فلسطین ۱۹۳۳ء میں جب حیدر آباد تشریف لائے تھے اس وقت ماہر القادری حیدر آباد ہی میں تھے۔ ماہر القادری نے اپنے مضمون میں مفتی اعظم کے دورہ حیدر آباد کے بارے میں لکھا ہے کہ حیدر آباد میں باغ عامہ کے سامنے حکومت کے سب سے شاندار گسٹ ہاؤس میں مفتی اعظم کا قیام تھا اور وہ سرکاری مہمان تھے۔ ماہر القادری، مفتی اعظم سے ملنے کے بڑے خواہش مند تھے لیکن کسی تعارف اور تقریب کے بغیر ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی جراءت نہیں کر سکتے تھے۔ مفتی اعظم کے حیدر آباد پہنچنے کے دوسرے روز جب مولانا عبد القدیر بدایونی ان سے ملنے گئے تو ماہر القادری کو کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اس موقع پر بہادر یار جنگ بھی وہاں پہنچے جن سے مفتی صاحب نے گرمجوشی کے ساتھ معانقہ کیا۔

فلسطین میں یونیورسٹی کے قیام کے لئے حکومت ریاست حیدر آباد کی جانب سے جو مالی امداد دی گئی تھی اس کارروائی کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

مہاراجا سرکشن پرشاد، صدر اعظم ریاست حیدر آباد کو رزیڈنسی سے ایک مکتوب مورخہ ۲۷ جون ۱۹۳۳ء کے ذریعہ یہ اطلاع دی گئی کہ فلسطین کے مفتی اعظم فلسطین میں محمڈن یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں ان دنوں ہندوستان آئے ہوئے ہیں۔ وہ فلسطین کے برطانوی ارباب اقتدار کے تعارف نامے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ وہ اپنے پراجکٹ کی تکمیل کے سلسلے میں اندرون چند یوم حیدر آباد تشریف لائیں گے۔ اس خط کے تین چار روز بعد ہی خود مفتی اعظم نے آگرہ سے مہاراجا سرکشن پرشاد کے نام ایک مکتوب مورخہ یکم جولائی ۱۹۳۳ء روانہ کیا جس میں انہوں اطلاع دی کہ فلسطین کا ایک وفد جو ان کے علاوہ محمد علی پاشا، سابق

وزیر اوقاف حکومت مصر پر مشتمل ہے یکم جون کو ہندوستان پہنچا۔ یہ وفد وائسرے سے ملنے کے لئے شملہ گیا تھا جہاں وائسرے نے ۱۰ جون کو ملاقات کا موقع دیا۔ وائسرے یہ سن کر کہ وفد کے مشن کا مقصد مکمل طور پر غیر سیاسی ہے اور وفد فلسطین میں یونیورسٹی کے قیام کے لئے مسلمانوں کی ہمدردی اور تعاون کا خواہاں ہے تمام ممکنہ مدد کا وعدہ فرمایا۔ وائسرے نے وفد کے لئے ایک تعارفی خط بھی مرحمت کیا جو اس خط کے ساتھ منسلک ہے۔ اس خط کے آخر میں مفتی اعظم نے لکھا کہ ہز اگزالٹیڈ ہائنس آصف جاہ (نواب میر عثمان علی خاں آصف سابع) کی شہرت ایک بڑے مسلم حکمراں اور تعلیم کے عظیم سرپرست کے طور پر ہمارے ہندوستان آنے سے بہت پہلے ہمارے ملک میں پہنچ چکی ہے۔ اس لئے وفد کی یہ تمنا اور آرزو ہے کہ اسے آصف سابع سے جلد از جلد ملنے کا موقع نصیب ہو۔ اس لئے آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ ہمیں یہ اطلاع دیں کہ ہم آصف سابع سے کب ملاقات کر سکتے ہیں۔ وفد کے ارکان کے لئے پہلے سے طے شدہ مصروفیات کی وجہ سے ماہ جولائی ۱۹۳۳ء کے ختم کے بعد ہندوستان میں قیام کرنا ممکن نہیں ہے۔ مفتی اعظم کے خط کے بارے میں مہاراجا نے ایک عرض داشت مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۳۳ء آصف سابع کی خدمت میں روانہ کی جس میں انہوں نے لکھا کہ ان کے نام مفتی اعظم کے روانہ کردہ مکتوب پر باب حکومت (کابینہ) نے یہ قرارداد منظور کی ہے کہ اسلامی دنیا میں مفتی اعظم کے وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے وفد کو شرف باریابی مرحمت ہو تو مناسب ہے۔ باریابی کے لئے جو تاریخ مقرر ہوگی اس سے وفد کو آگاہ کر دیا جائے گا۔ آصف سابع نے اپنے فرمان کے ذریعے وفد سے ملاقات کے لئے ۲۱ جولائی کی تاریخ مقرر کرتے ہوئے یہ ہدایت کی کہ حیدرآباد آنے کے بعد مذکورہ وفد کو سرکاری مہمان رکھا جائے۔ اس فرمان کی تعمیل میں فلسطین کے وفد کو حیدرآباد میں سرکاری مہمان کے طور پر ٹھہرایا گیا اور وفد نے مقررہ تاریخ پر آصف سابع سے ملاقات کی۔

آصف سابع سے باریاب ہونے کے بعد حضرت سید محمد امین الحسینی، مفتی اعظم فلسطین اور محمد علی پاشا نے ایک طویل معروضہ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۳۳ء آصف سابع کے نام پیش کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ آصف سابع کی سخاوت اور فیاضی کی دھوم سارے مسلم ملکوں کے کونے کونے تک پہنچ چکی ہے۔ حالیہ زلزلے نے بیت المقدس میں بڑی تباہی مچائی تھی۔ آصف سابع کی فیاضی ہی کے سبب زلزلے کے وقوع پذیر ہونے سے قبل مسجد اقصیٰ کی تعمیر و مرمت ہو سکی تھی جس کی وجہ سے یہ منفرد اور عالی شان مسجد زلزلے کے صدمے سے محفوظ رہی۔ اہل فلسطین اس بات پر یقین رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ آصف سابع کے دل میں

ان کے لئے ایک خصوصی گوشہ ہے۔ابتداء میں چند تمہیدی جملے لکھنے کے بعد یہ تحریر کیا گیا کہ دو سال قبل انٹرنیشنل مسلم کانفرنس کے اجلاس میں جس میں ۲۲ مسلم ممالک کے (۱۵۰) نمائندے شریک تھے یہ فیصلہ کیا گیا کہ فلسطین کے مسلمانوں کے لئے ایک یونیورسٹی قائم کی جانی چاہیئے جو کہ نہ صرف فلسطینی مسلمانوں کی تعلیمی ضرورت کو پورا کرے بلکہ اس مسلم تعلیم کا مرکز بھی ہو جس کی وسیع بنیادیں عربی ثقافت پر قائم ہوں نیز دوسرے ممالک سے طلبہ اعلیٰ تعلیم کے لئے اس علمی درس گاہ کا رخ کریں۔انٹرنیشنل مسلم کانگریس، سپریم مسلم کونسل فلسطین اور مجوزہ یونیورسٹی کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ان کی ساری توجہ صرف مسلمانوں کی سماجی اور تعلیمی اصلاح تک محدود ہے۔فی الوقت اس مجوزہ یونیورسٹی میں چار فیکلٹیوں (شعبوں) فیکلٹی آف تھیالوجی، فیکلٹی آف میڈیسن، فیکلٹی آف آرٹس، سائنس و ٹکنالوجی اور فیکلٹی آف اگریکلچر کے کھولنے کی تجویز ہے۔ایک اندازے کے مطابق ان فیکلٹیوں کے قیام پر ایک ملین اسٹرلنگ کا صرفہ ہوگا۔معروضے کے آخر میں فلسطینی وفد کے ارکان نے لکھا کہ انٹرنیشنل مسلم کانگریس اور فلسطین کے مسلمانوں کا پیام آپ کی خدمت میں پہنچانے کے بعد ہم آپ کے جواب اور احکام کے منتظر ہیں۔

اس معروضے کے بارے میں باب حکومت میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ اگر گورنمنٹ آف انڈیا کو اعتراض نہ ہو تو حکومت ریاست حیدرآباد اس یونیورسٹی کی امداد کے لئے ایک لاکھ روپے کلدار اس شرط کے ساتھ دے سکتی ہے کہ اس رقم سے ہائی کمشنر فلسطین کی زیر نگرانی زمین خریدی جائے جو ایک وقف منصور ہو جس کی آمدنی حکومت ریاست حیدرآباد بطور امداد اس یونیورسٹی کو دے گی لیکن اس کو اختیار ہوگا کہ اگر مناسب سمجھے تو اس آمدنی کو دوسرے خیراتی اغراض کے لئے دیدے یا کسی غرض کے لئے بھی صرف نہ کرے اور وقف کو مسدود کردے۔مفتی اعظم فلسطین کی درخواست کے خلاصہ اور باب حکومت کی قرارداد کو ایک عرض داشت میں درج کر کے اسے آصف سابع کے ملاحظے اور احکام کے لئے بھیجا گیا۔اس پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۳۳ء ہدایت دی کہ رزیڈنسی سے دریافت کیا جائے کہ حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے اس یونیورسٹی کو مجوزہ شرائط کے ساتھ امداد دینے پر حکومت ہند کو اعتراض تو نہ ہوگا۔اس فرمان کی تعمیل میں رزیڈنسی کو لکھا گیا جس کے جواب میں رزیڈنسی نے مراسلہ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۳۴ء کے ذریعے اطلاع دی کہ فلسطین میں قائم ہونے والی یونیورسٹی کے لئے امداد دینے پر حکومت ہند کو کوئی اعتراض نہیں ہے اس کے ساتھ ہی رزیڈنسی کی جانب سے وقف نامہ کا مسودہ بھی روانہ کیا گیا۔باب حکومت نے رزیڈنسی

کی جانب سے روانہ کردہ وقف نامے کے مسودے کو منظور کرلینے کی سفارش کی۔ اس بارے میں آصف سابع نے باب حکومت کی سفارش منظور کی اور یہ فرمان مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۳۴ء جاری ہوا۔ "ہماری مذکورہ امداد سے فلسطین میں یونیورسٹی کے لئے اراضی خرید کر اس کو وقف کرنے کی نسبت فلسطین کی سپریم مسلم کونسل کا مرتبہ وقف نامہ جو رزیڈنسی سے وصول ہوا ہے کونسل (باب حکومت) کی رائے کے مطابق منظور کرلیا جائے اور اس کی رجسٹری بتوسط گورنمنٹ آف انڈیا فلسطین میں کرادی جائے اس وضاحت کے ساتھ کہ سرکار عالی (حکومت ریاست حیدرآباد) کو وقتاً فوقتاً نگرانی کا حق رہے گا کہ جس مقصد سے یہ عطیہ دیا گیا ہے اس کی تعمیل برابر ہورہی ہے یا نہیں۔" اس فرمان کی تعمیل میں رزیڈنسی کو اطلاع دی گئی اور ماہ فبروری ۱۹۳۵ء میں ایک لاکھ روپے کلدار ہائی کمشنر فلسطین کو بھیج دیئے گئے۔

ایک لاکھ روپے کلدار ایصال کردیئے جانے کے تقریباً گیارہ سال بعد چیف سکریٹری حکومت بیت المقدس نے ایک مراسلہ مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء گورنمنٹ آف انڈیا کو روانہ کیا جس کی نقل روانہ کرتے ہوئے گورنمنٹ آف انڈیا نے حکومت ریاست حیدرآباد کی رائے دریافت کی۔ چیف سکریٹری حکومت بیت المقدس نے اپنے مراسلے میں لکھا تھا کہ جس یونیورسٹی کے لئے امداد دی گئی تھی اس کے قیام کی ہنوز کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی اور کئی سال تک یونیورسٹی کے وجود میں آنے کی توقع نہیں ہے۔ یونیورسٹی کے لئے دی گئی رقم ابھی تک صرف نہیں ہوئی اور بنک میں محفوظ ہے۔ یہ اطلاع دینے کے بعد درخواست کی گئی کہ اس زیر بحث رقم کو منافع کے ساتھ دی جنرل عرب کمیٹی فار آرفنس ان پلسٹائن کو عطا کردی جائے۔ باب حکومت نے چیف سکریٹری حکومت بیت المقدس کی درخواست کو منظوری دینے کے لئے آصف سابع سے سفارش کی جنہوں نے فرمان مورخہ ۲۶ جون ۱۹۴۷ء کے ذریعے باب حکومت کی سفارش کو منظور کرتے ہوئے ہدایت دی کہ مذکورہ یونیورسٹی کے قیام کے لئے جو ایک لاکھ روپے کلدار کی امداد دی گئی تھی وہ مع منافع چیف سکریٹری حکومت بیت المقدس کی تحریک کے مطابق دی جنرل عرب کمیٹی فار آرفنس ان پلسٹائن کو دے دی جائے۔

مفتی اعظم فلسطین جب حیدرآباد آئے تھے ان سے متعدد لوگ ملے ہوں گے اور مفتی اعظم نے بھی یہاں کی ذی اثر شخصیتوں سے مل کر مالی امداد کی فراہمی میں ان کا تعاون چاہا ہوگا۔ وہ ایک اچھے اور نیک مقصد کے تحت حیدرآباد آئے تھے۔ اس لئے یقیناً انہیں تعاون حاصل ہوا ہوگا۔ حیدرآباد سے واپس ہونے پر انہوں نے بمبئی سے نظامت جنگ کو مکتوب مورخہ ۳ اگست ۱۹۳۴ء روانہ کیا تھا۔ اس کے حسب ذیل اقتباس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔

"ہمارے دوران قیام حیدرآباد میں جس قدر کرم گستری، مہمان نوازی و اخلاق کریمانہ کا برتاؤ آپ نے فرمایا ہے اور ہمارے اغراض و مقاصد کے متعلق جس قدر مخلصانہ سعی وجدوجہد آپ نے فرمائی ہے اس کے اظہار شکر گزاری کے لئے حقیقتاً الفاظ ناکافی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ جیسے مخلص حضرات کے وجود اور فیض کرم سے امت اسلامی کو زیادہ سے زیادہ متمتع اور فیض یاب ہونے کا موقع عطا فرمائے۔" (مکتوب کے مکمل متن کے لئے ملاحظہ ہو "حیات نظام" "تذکرہ نواب سر نظامت جنگ بہادر" مولفہ نظیر حسین فاروقی)

ماخذ

Instalment No.83, List No. 8 S.No. 149

مقدمہ:۔ انتظام مہمان داری و شرف باریابی حضرت محمد امین الحسینی مفتی اعظم بیت المقدس وعطائے امداد رقمی ایک لاکھ برائے یونیورسٹی بیت المقدس (فلسطین)

فرمان

ملاحظہ عرضداشت معتمد سیاسیات معروضہ ۱۶ رجب المرجب ۱۳۵۲ھ جو ایک لاکھ روپیہ کی

نسبت ہے جو بیت المقدس کی یونیورسٹی کی امداد میں اس ریاست سے دینا قرار پایا تھا

حکم ۔ سرکاری مذکورہ امداد سے فلسطین میں یونیورسٹی کیلئے اراضی خرید کرکے وقف کرنے کی

نسبت فلسطین کی سپریم مسلم کونسل کا مرتبہ وقف نامہ کا مسودہ جو ریزیڈنسی سے

وصول ہوا ہے کونسل کی رائے کے مطابق منظور کر لیا جائے اور اسکی رجسٹری بتوسط گورنمنٹ

آف انڈیا فلسطین میں کرا دی جائے اس وضاحت کیساتھ کہ سرکار عالی کو وقتاً فوقتاً

نگرانی کا حق رہیگا کہ جس مقصد سے یہ عطیہ دیا گیا ہے اوسکی تعمیل برابر ہو رہی ہے

(دستخط مبارک)

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ

نقل مطابق اصل

آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ کی تعمیر

اور

افتتاحی تقریب

جامعہ عثمانیہ کی عمارتوں میں آرٹس کالج کی عمارت کو مرکزی عمارت کی حیثیت حاصل ہے۔ منفرد طرز تعمیر اور وسعت و رفعت کے باعث آرٹس کالج کو ایک فقید المثال عمارت کہا جاسکتا ہے۔ یہ بات کسی مبالغے کے بغیر کہی جاسکتی ہے کہ جاریہ صدی میں حیدرآباد میں ایسی عظیم الشان، یادگار اور پرشکوہ دوسری کوئی عمارت تعمیر نہیں کی گئی۔ اس عمارت کی تعمیر تقریباً چھ سال میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور اسے خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی کسر چھوڑی نہیں گئی۔ اس مضمون میں اس عمارت کی تعمیر کے منصوبے، ماہرین فن کے انتخاب، ملبیے کی فیاضانہ فراہمی اور تعمیر مکمل ہونے پر اس کے افتتاح کا بیان شامل ہے۔ یہ مواد آندھراپردیش آسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈز کے ذخائر میں بکھراہوا تھا۔ اسے بڑی تلاش، تحقیق اور غائر تجزیے کے بعد مربوط انداز میں پیش کیا جارہا ہے۔

جامعہ عثمانیہ کی عمارتوں کی تعمیر کے لیے ابتدا میں بمقام اڈیکمیٹ ۱۴سو ایکڑ اراضی کا علاقہ پسند و منتخب کیا گیا لیکن علی نواز جنگ معتمد تعمیرات نے جامعہ کی عمارتوں کو بمقام گولکنڈہ تعمیر کرنے کی تجویز پیش کی۔ نواب میر عثمان علی خان آصف سابع نے اس تجویز کو منظوری دینے کی بجائے جامعہ کی عمارتوں کی تعمیر کے لیے شاہی عمارتوں کی پیش کش کی۔ چونکہ شاہی عمارتوں سے جامعہ کی ضروریات کی تکمیل ممکن نہیں تھی اس لیے یہ اسکیم عملی صورت اختیار نہ کرسکی۔ ملک پیٹھ میں بھی جامعہ کی عمارتوں کو تعمیر کرنے کے بارے میں غور و خوض کیا گیا لیکن یہ اراضی بھی جامعہ کی ضروریات کے لئے کافی نہیں تھی اس لئے آخر کار بمقام اڈیکمیٹ ہی عمارتوں کی تعمیر شروع کرنے کے احکام جاری کیے گئے۔ مقام کے انتخاب کے لئے جنوری ۱۹۲۱ء میں کارروائی کا آغاز ہوا تھا اور اس بارے میں آٹھ سال بعد جنوری ۱۹۲۹ء

میں قطعی فیصلہ ہوا اور منظوری دی گئی ۔اس کارروائی کی ابتداء ہی میں آصف سابع نے فرمان مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۲۱ء کے ذریعہ یہ احکام صادر کر دئے تھے کہ جامعہ عثمانیہ کی عمارتوں کی تعمیر مشرقی طرز پر ہو اور ہندوستان کے قدیم اسلامی طرز کو ترجیح دی جائے ۔مقام کے انتخاب کی کارروائی کے دوران مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ کی تجویز پر جامعہ عثمانیہ کی عمارتوں کی تعمیر کے لئے ایک کمیٹی کے ذریعے مہر علی فاضل کا ماہر فن آرکیٹکٹ کے طور پر انتخاب عمل میں آیا اور آصف سابع نے فرمان مورخہ ۸ مارچ ۱۹۲۲ء کے ذریعے مہر علی فاضل کے تقرر کی منظوری دیتے ہوئے یہ ہدایت دی کہ مہر علی فاضل کے تیار کئے ہوئے نقشہ جات پر بوقت ضرورت باہر کے ماہرین فن سے مشورہ لیا جاسکتا ہے۔

جامعہ عثمانیہ کی عمارتوں کے لئے مقام کے انتخاب کا قطعی فیصلہ ہوجانے کے بعد بلڈنگ کمیٹی نے محکمہ تعمیرات کے دو انجینروں سید زین الدین حسین خان (زین یار جنگ) اور سید علی رضا کو جاپان، امریکہ، یوروپ، مراکش، مصر، شام اور عراق روانہ کرنا طے کیا تاکہ یہ انجنیران ممالک کی جامعات کی نئی تعمیر کردہ عمارتوں کا معائنہ کریں اور کسی ماہر اور موزوں آرکیٹکٹ کا نام تجویز کریں جس کا بطور مشیر آرکیٹکٹ تقرر کیا جاسکے ۔باب حکومت (کابینہ) کی سفارش پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۰ سپٹمبر ۱۹۳۰ء کے ذریعے ان انجینروں کی تعیناتی، تنخواہ، الاونس اور اخراجات سفر کی منظوری دی ۔ان انجنیروں نے بیرونی ممالک کے دورے کے دوران ماہر آرکیٹکٹ ارنسٹ جاسپر کو بہت موزوں اور اہل پایا ۔چنانچہ سر حیدر نواز جنگ (سر اکبر حیدری) نے لندن سے ایک ٹیلی گرام مورخہ ۲ اکٹوبر ۱۹۳۱ء روانہ کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ ارنسٹ جاسپر کو چند شرائط کے ساتھ جامعہ عثمانیہ کی عمارتوں کا مشیر آرکیٹکٹ مقرر کرنے کے لیے حکومت کی ضروری منظوری حاصل کی جائے ۔انہوں نے یہ بھی لکھا کہ سید زین الدین حسین خان اور سید علی رضا نے ارنسٹ جاسپر کی سفارش کی ہے کہ سراسنک طرز تعمیر کے یہ ماہر ہیں اور انہوں نے قاہرہ کی چند عمدہ اور نفیس عمارتوں کے نقشے تیار کئے ہیں ۔ان کی شرائط ملازمت کو انہوں نے اور علی نواز جنگ نے سر رچرڈ ٹرنچ اور مہدی یار جنگ کے مشورے سے طے کیا ہے ۔سب کی رائے ہے کہ ارنسٹ جاسپر اس کام کے لئے نہایت موزوں ہوں گے اور ان کا فوراً تقرر ہونا چاہیے ۔اس کارروائی کی ساری تفصیلات اور باب حکومت کی سفارشی قرارداد ایک عرضداشت کے ذریعے آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئی ۔آصف سابع نے بذریعے فرمان مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۱ء ارنسٹ جاسپر کے تقرر کی منظوری دی۔

جامعہ عثمانیہ کے قیام کی ابتداء سے عثمانیہ کالج، انجنیرنگ کالج، ٹریننگ کالج، دار الترجمہ رجسٹرار آفس اور یونیورسٹی اسٹاف یونین کرائے کی ۲۴ عمارتوں میں کام کر رہے تھے۔ ان عمارتوں کے مالکوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ جب مدت قریب الختم ہوتی تو وہ کرایے میں غیر معمولی اضافے یا تخلیہ عمارت کا نوٹس دے دیتے تھے جس سے ارباب جامعہ کو سخت دقت کا سامنا کرنا پڑرہا تھا۔ بعض عمارتوں کی سالانہ مرمت، ٹیکس اور صفائی کے اخراجات بھی متعلقہ کالج کی جانب سے ادا کئے جاتے تھے۔ ان عمارتوں کے کرایے کی جملہ رقم اناسی ہزار دو سو ساٹھ روپے سالانہ تھی۔ ان تمام دقتوں کے باوجود انتظام تشفی بخش نہیں تھا کیونکہ عمارتیں علاحدہ علاحدہ مقامات پر واقع تھیں اور وہ اس مقصد کے لئے تعمیر نہیں ہوئی تھیں جس مقصد کے لئے استعمال میں لائی جارہی تھیں۔ ان امور کے پیش نظر مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ نے یہ تجویز پیش کی کہ جامعہ کے لئے مستقل عمارتوں بشمول آرٹس کالج کی تعمیر میں پانچ تا دس سال کی مدت درکار ہوگی اس لئے اڈیکمیٹ میں عارضی عمارتیں تعمیر کی جائیں اور کالجوں اور دفتروں کو ان میں منتقل کر دیا جائے۔ اس وقت اڈیکمیٹ میں تمام سہولتیں مثلاً سڑک، پانی، بجلی وغیرہ بہم پہنچائی جاچکی ہیں اس لیے وہاں عارضی عمارتوں کی تعمیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ تجویز میں یہ کہا گیا کہ اس میں فائدہ یہ ہے کہ دس سال یعنی مستقل عمارتوں کی تعمیر مکمل ہونے تک جو کرایے کا بار حکومت کو برداشت کرنا ہوگا اس سے سبکدوشی حاصل ہوجائے گی اور مستقل عمارتوں کی تعمیر کے بعد اگر ان عارضی عمارتوں سے کام لینا مقصود ہو تو یہ کام میں لائی جاسکتی ہیں یا ان کے انہدام کے بعد ان کا مال مسالہ بحد ۲۵ فیصد دوسری عمارتوں کے لئے کام میں لایا جاسکتا ہے۔ جامعہ عثمانیہ کی بلڈنگ کمیٹی نے اس بارے میں یہ قرار دار منظور کی کہ جو عمارتیں جامعہ عثمانیہ کے لئے کرایے پر لی گئی ہیں ان سے بعض کی مدت قریب الختم ہے لہذا یہ نہایت ضروری ہے کہ آصف سابع کی خدمت میں یہ معروضہ پیش کیا جائے کہ جامعہ عثمانیہ کے موازنے سے نو لاکھ پچاس ہزار روپے عارضی عمارتوں کی تعمیر کے لئے منظور کئے جائیں۔ باب حکومت نے اس بارے میں یہ قرار داد منظور کی کہ جامعہ عثمانیہ کی بلڈنگ کمیٹی کی تحریک قابل منظوری ہے۔ ایک عرضداشت میں عارضی عمارتوں کی تعمیر کے سلسلے میں مذکورہ بالا تمام تفصیلات درج کر کے اسے آصف سابع کے احکام کے لئے پیش کیا گیا۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۳۰ ڈسمبر ۱۹۳۳ء صادر کرتے ہوئے عارضی عمارتوں کی تعمیر کے لئے نو لاکھ پچاس ہزار روپے کی منظوری دی اور حکم دیا کہ یکم جنوری ۱۹۳۴ء سے عارضی عمارتوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے۔

آرٹس کالج کی عمارت کے نقشہ جات ارنسٹ جاسپر، مشیر آرکیٹکٹ کے مشوروں سے مرتب کرکے عثمانیہ یونیورسٹی بلڈنگ کمیٹی میں پیش کیے گئے۔ کمیٹی مذکور کے دو اجلاسوں میں اس بارے میں صلاح و مشورہ ہوا اور ان پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔ اس کالج کی عمارت کی تفصیلی برآورد مرتب کی گئی جو ۲۷ لاکھ ۱۳ ہزار روپے قرار پائی۔ ایک عرضداشت میں آرٹس کالج کی عمارت کی ۲۷ لاکھ ۱۳ ہزار روپے کی برآورد کی تفصیلات درج کرکے لکھا گیا کہ عمارت دو منزلہ تجویز کی گئی ہے جو مقامی ساسانی طرز پر ہوگی جس میں بیدر، اورنگ آباد اور بلدہ حیدرآباد کی عمارتوں کی اہم خصوصیات شامل رہیں گی۔ اس میں دور جدید کی عمارتوں کی جملہ ضروریات ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اس میں دو ہزار طلبہ کی تعلیم کے لئے گنجائش ہے۔ یہ ساری تفصیلات درج کرنے کے بعد آصف سابع سے ۲۷ لاکھ ۱۳ ہزار روپے منظور کرنے کی درخواست کی گئی۔ آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۶ اکٹوبر ۱۹۳۳ء کے ذریعے آرٹس کالج کی عمارت کی تعمیر کے لئے ۲۷ لاکھ ۱۳ ہزار روپے کی منظوری دی۔ ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد آرٹس کالج کی عمارت کی تعمیر کے کام کا آغاز ۱۳ جنوری ۱۹۳۴ء سے ہوا اور ایک عرضداشت کے ذریعے آصف سابع کو اس کی اطلاع دی گئی۔ اس کے علاوہ آصف سابع کو عارضی عمارتوں کی تعمیر کے آغاز کی بھی اطلاع دی گئی۔ یہ اطلاع ملنے پر آصف سابع نے جامعہ عثمانیہ کے سنگ بنیاد رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ معتمد پیشی نے اپنے مراسلے مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۴ء کے ذریعے معتمد باب حکومت کو اطلاع دی کہ آصف سابع نے عثمانیہ یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے کے لئے ۲ جولائی ۱۹۳۴ء کو ساڑھے پانچ بجے کا وقت مقرر کیا ہے۔ بعد ازاں تاریخ اور وقت میں تبدیلی کے بعد یہ تقریب ۵ جولائی ۱۹۳۴ء ساڑھے چار بجے مقرر ہوئی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق تقریب منعقد ہوئی اور آصف سابع نے سنگ بنیاد رکھا۔

ابتداء میں آرٹس کالج کی منظورہ برآورد میں کارنس اور پیاراپٹ وال Cornice & Parapet Wall کی تعمیر کے لئے انتیس ہزار چھ سو بیس روپے کی گنجائش رکھی گئی تھی لیکن ارنسٹ جاسپر، مشیر آرکیٹکٹ کی سفارش پر یہ تجویز ہوئی کہ عمارت کی موزونیت کے لحاظ سے اسے مصفا سنگ سماق سے تعمیر کیا جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں یونیورسٹی بلڈنگ کمیٹی اور باب حکومت کی سفارش پر آصف سابع نے فرمان مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۸ء کے ذریعے اس کام کے لئے دو لاکھ اٹھاون ہزار دو سو سینتیس روپے منظور کئے۔ ارنسٹ جاسپر، مشیر آرکیٹکٹ نے یہ بھی رائے دی کہ Jack Arch آرٹس کالج کی عمارت کے باب الداخلہ کی چھت کے لئے موزوں نہیں ہے۔ موزونیت کے مدنظر گنبد نما چھت تعمیر کی جانی چاہیے۔ اس تجویز کے

سلسلے میں یونیورسٹی بلڈنگ کمیٹی اور باب حکومت کی سفارشات جب ایک عرضداشت میں درج کر کے آصف سابع کی خدمت میں پیش کی گئیں تو انہوں نے آرٹس کالج کی گنبد نما چھت کی تعمیر کے لئے سینسٹھ ہزار ایک سو روپے کی منظوری دی ۔آرٹس کالج کی عمارت کی تعمیر کے لئے ابتداء میں ستائیس لاکھ تیرہ ہزار روپے کی منظوری دی گئی تھی ۔بعض نئے کام انجام دے گئے جن کے لئے منظورہ برآوردہ میں گنجائش موجود نہیں تھی اس لیے مزید رقمی منظوریاں دی گئیں ۔آرٹس کالج کی عمارت کی تعمیر پر جملہ مصارف اٹھتیس لاکھ ستانوے ہزار چھ سو چونتیس روپے ہوئے ۔آصف سابع نے یونیورسٹی بلڈنگ کمیٹی اور باب حکومت کی سفارشات پر فرمان مورخہ ۵ ڈسمبر ۱۹۴۳ء کے ذریعے زائد مصارف کی منظوری دی ۔

آرٹس کالج کی عمارت کی تعمیر مکمل ہونے پر عرضداشت مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۹ء کے ذریعے آصف سابع کو یہ اطلاع دی گئی کہ آرٹس کالج کی تعمیر کا کام جو ۱۳ جنوری ۱۹۳۴ء کو شروع ہوا تھا اب پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور آصف سابع سے جامعہ کی اس مرکزی عمارت کا افتتاح کرنے کی درخواست کی گئی ۔افتتاح کے انتظامات کے سلسلے میں منجملہ سفارشات کے یہ سفارش بھی پیش کی گئی کہ افتتاح کی تقریب ۴ ڈسمبر ۴ بجے سہ پہر منعقد کی جائے لیکن آصف سابع کا حکم ہوا کہ افتتاح کے لئے ۴ ڈسمبر کی تاریخ مناسب ہے مگر افتتاح ساڑھے دس بجے صبح اور ایٹ ہوم چار بجے سہ پہر رکھا جائے ۔چونکہ افتتاح کی تقریب بڑے پیمانے پر منعقد کی جانے والی تھی اس لئے اسے دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک دن میں دو بار بڑے پیمانے پر انتظامات کرنا وقت طلب تھا ۔خود آصف سابع کو ایک ہی دن میں دو بار ان تقاریب میں شریک ہونا پڑتا تھا ۔اس لئے افتتاح اور ایٹ ہوم کا وقت ۴ ڈسمبر ۴ بجے سہ پہر مقرر کرنے کی اجازت حاصل کر لی گئی ۔

آصف سابع نے مقررہ پروگرام کے مطابق ۴ ڈسمبر ۱۹۳۹ء کو آرٹس کالج کی عمارت کا افتتاح انجام دیا ۔اس موقع پر امیر جامعہ اور انجمن اتحاد طلبہ جامعہ عثمانیہ کی جانب سے آصف سابع کی خدمت میں دو سپاس نامے پیش کئے گئے ۔ان سپاس ناموں کا جواب دیتے ہوئے آصف سابع نے کہا کہ چار پانچ سال قبل انہوں نے جس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا تھا اس پر ایک عالی شان عمارت قائم ہو گئی ہے جو اپنی وضع کی خوبصورتی ، شان اور عظمت میں غالباً ہندوستان بھر میں اپنی نظیر نہیں رکھتی ۔جس طرح جامعہ عثمانیہ ان کے عہد حکومت کا ایک اعلیٰ کارنامہ ہے اسی طرح یہ عمارت بھی ان کے عہد کی ایک شاندار یادگار ہے جو صدیوں تک آنے والی نسلوں کو آج کے تہذیب و تمدن اور ذوق تعمیر کی یاد دلاتی رہے گی ۔جامعہ عثمانیہ

کی خصوصیت اور آرٹس کالج کی عمارت کی طرز تعمیر پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس جامعہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں اردو کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول اور آپس کے دوستانہ تعلقات سے پیدا ہوئی ۔ یہ زبان مساوی طور پر دونوں قوموں کی میراث ہے اور جو عام طور پر سارے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے ۔ آرٹس کالج کی عمارت کی طرز تعمیر بھی اردو زبان کی طرح ہندو اور مسلمان کے طرز سے مرکب ہے اور اس کے ستونوں اور درو دیوار کے نقش و نگار میں دونوں قوموں کی کاریگری اور ان کے تمدن اور تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے ۔ اس طرح یہ عمارت بھی ایک علامت ہے اس باہمی میل جول، باہمی دوستانہ مراسم اور خوش گوار تعلقات کی جو صدیوں سے ریاست کی مختلف قوموں میں چلے آتے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ ہمیشہ آپس میں شیر و شکر ہو کر رہے ہیں ۔ آصف سابع نے اپنے جواب ایڈریس کو ختم کرتے ہوئے دعا کی "خلاق علم و فضل رب العالمین اس جامعہ کو دن دو گنی رات چو گنی ترقی عطا کرے اور مدت تک میرا ملک اس کے فیض سے بہرہ اندوز ہوتا ہے ۔"

ماخذ

1. Instalment No. 80, List No.1, S.No. 471

مقدمہ :۔ تعمیر عمارات جامعہ عثمانیہ

2. Report on the administration of H.E.H the Nizam,s Dominions for the year 1349F (6th October 1939 to 6th October 1940 A.D)

کنگ کوٹھی

فرمان

بلاحظہ:- عرضداشت پیشی عثمانیہ یونیورسٹی معروضہ ۲۸ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ جو جامعہ عثمانیہ کی عمارت کی تعمیر کے لئے اراضی منتخب کرنے کی نسبت ہے۔

حکم:- جبکہ جامعہ عثمانیہ کیلئے اڈیکمیٹ سے بہتر دوسری جگہ دستیاب نہیں ہوسکتی ہے تو مجلس اعلیٰ اور صدر اعظم کی رائے مناسب ہے جسپہ جامعہ عثمانیہ کی عمارات کی تعمیر کیلئے اڈیکمیٹ میں چودہ سو ایکر اراضی حاصل کیا جائے۔ اور حصول اراضی و تصفیہ معاوضہ کیلئے ایک عہدہ دار مقرر کیا جائے۔ اور جامعہ عثمانیہ کی عمارات کیلئے ماہر فن کا انتخاب ایک کمیٹی کے ذریعہ سے کیا جائے جسکے صدر نشین صدر اعظم اور ارکان صدر المہام فینانس - معتمد تعلیمات و معتمد تعمیرات شاخ عام مقرر ہوں۔ جامعہ عثمانیہ کی عمارات کی تعمیر مشرقی طرز پر ہو اور ہندوستان کے قدیم اسلامی طرز کو ترجیح دیجائے۔ اسکے نقشہ جات پیش کرکے میری منظوری لی جائے۔ (ثبت دستخط مبارک اعلیحضرت بندگانعالی مدظلہ العالی)

۱۲ ذیقعدہ الحرام ۱۳۳۶ھ - دوشنبہ ثبت دستخط

(امین جنگ بہادر)

صدر المہام پیشی خداوندی

نقل مطابق اصل

فرمان

ملاحظہ :- عرضداشت صیغۂ تعمیرات معروضہ ۱۸- جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ جو سرکاری عمارتوں کی تعمیر کے لئے مستقل طور پر ایک آرکیٹکٹ کا تقرر کرنے کے نسبت ہے -

حکم :- باب حکومت کی رائے مناسب ہے حسبۂ عمارات جامعۂ عثمانیہ اور دیگر سرکاری عمارتوں کی تعمیر کے لئے ایک مستقل جائداد آرکیٹکٹ کی قائم کرکے اسپر مہر علی فاضل کا تقرر کیا جائے اور انکو انکی خدمت کی ماہوار ابتدائی ایکہزار تین سو (السکہ) روپیہ اور اضافہ پچاس روپیہ سالانہ ماہوار انتہائی ایکہزار پانچسو روپیہ (السکہ) دی جائے مگر مہر علی فاضل کے تیار کئے ہوے نقشہ جات پر بضرورت ضرورت باہر کے بہترین ماہر فن سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیا جا سکتا ہے -

(مہر بدستخط مبارک اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی)

۸- رجب المرجب ۱۳۴۲ھ - چہارشنبہ

مہر بدستخط

(امین جنگ بہادر)

صدر المہام پیشی خداوندی

نقل صحیح

[illegible] ۵/۲

صدر دفتر منصرم

فرمان

بملاحظہ: عرضداشت صیغۂ تعلیمات معروضہ ۲۰ ذیحجہ ۱۳۵۶ھ جو جامعۂ عثمانیہ کے آرٹس کالج کی تعمیر کی نسبت ہے۔

حکم: کونسل کی رائے کے مطابق تعمیر مذکور کے بابت دو لاکھ اٹھاون ہزار دو سینتیس ([illegible]) روپیہ منظور کیے جائیں۔

۲۱ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

مسجد الاقصیٰ بیت المقدس کی مرمت اور تزئین نو

بیت المقدس کو تین ہزار سال سے دنیا کے ایک مقدس ترین مقام کی حیثیت سے جو عظمت و اہمیت حاصل ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے ۔ یہ مسلمانان عالم کا قبلہ اول بھی ہے ۔ مسلمانوں کی ایک نہایت اہم مسجد، مسجد اقصیٰ بیت المقدس میں موجود ہے جس کی اسرائیل سے بازیابی کو مسلمانان عالم نے اپنا عزیز مقصد حیات بنالیا ہے ۔ اس مسجد اقصیٰ کی عمارت کی مرمت اور اسے پائیدار بنانے اور اس کی عمارت یا احاطہ کی جدید کاری کے لئے بین الاقوامی سطح پر مالیہ فراہم کرنے کی زبردست مہم باقاعدہ طور پر ۱۹۲۳ء میں چلائی گئی تھی ۔ اس زمانے میں نواب میر عثمان علی خان آصف سابع سابق ریاست حیدرآباد کے حکمران تھے ۔ اس عظیم کام کے لئے آصف جاہ سابع نے بھی ایک لاکھ روپیوں کا گراں قدر عطیہ دیا تھا ۔ آج ایک لاکھ روپیوں کی قدر بہت گھٹ گئی ہے لیکن اس زمانے میں اسکی قدر آج کے کروڑوں روپیوں کے برابر تھی ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سابق ریاست حیدرآباد کی حکومت اور حکمران اپنی بین الاقوامی ذمہ داریوں، انسانی تہذیب و تمدن کی بقا اور ارتقاء کے لئے اپنے رول سے نہ صرف یہ کہ پوری طرح آگاہ تھے بلکہ اس سلسلے میں نہایت فراخ دلانہ اور حد درجہ پرجوش عملی مظاہرہ بھی کیا کرتے تھے ۔ مسجد اقصیٰ کی درستگی، تحفظ اور استحکام کے لئے سابق ریاست حیدرآباد کے اس عطیہ کی جو تفصیلات آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے محافظ خانے میں بکھری ہوئی اور دبی ہوئی دستاویزات میں درج ہیں ان کی چھان بین کے نتائج کو اس مضمون میں پیش کرنے سے پہلے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے تاریخی اور تمدنی پس منظر کے تعلق سے کچھ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔

بیت المقدس جو دنیا کے قدیم ترین شہروں میں گنا جاتا ہے یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے یکساں طور پر مقدس ہے ۔ قدیم ترین تاریخی شہادت سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ یہاں مصریوں کی عملداری تھی ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک عرصے کے بعد مسجد بیت المقدس کی بنیاد ڈالی جس کی وجہ سے بیت المقدس کی آبادی وجود میں آئی ۔ حضرت

داؤد علیہ السلام نے ایک ہزار سال قبل مسیح میں بیت المقدس کو فتح کیا اور ان کے جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اور شہر کی تعمیر جدید کروائی ۔ چھٹی صدی قبل مسیح کے اوائل میں بابل کے حکمراں بخت نصر نے یروشلم کو فتح کرنے کے بعد نہ صرف ہیکل سلیمانی کو جلا دیا اور یروشلم کو تہس نہس کر دیا بلکہ یہودیوں پر سخت ظلم و ستم کیئے ۔ بعد ازاں فلسطین ایرانیوں اور یونانیوں کے زیر اقتدار رہا ۔ ہیرود اعظم کے عہد میں ھیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور پھر بیت المقدس میں رونق نظر آنے لگی ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کا مرکز بھی بیت المقدس اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ تھا ۔ عہد رسالت میں بیت المقدس کی عظمت و تقدیس برقرار رہی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سولہ ماہ تک بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے رہے اور مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کے کچھ عرصہ بعد مسجد الحرام کی طرف نماز پڑھنے لگے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر معراج کا تعلق بھی بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ سے ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بعد بیت المقدس مسلمانوں کا تیسرا مقدس شہر ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دور میں عرب افواج فلسطین میں داخل ہوئیں ۔ ۱۳ھ م ۶۳۴ء میں قیصر کی افواج کو شکست ہوئی ۔ یہاں کے قلعہ بند شہر ایک ایک کر کے عربوں نے حاصل کر لئے ۔ عیسائیوں نے چند روز کی مدافعت کے بعد صلح کے لئے رضامندی ظاہر کی مگر یہ شرط رکھی کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ خود آکر صلح کا معاہدہ لکھیں ۔ حضرت عمرؓ نے اس شرط کو منظور فرمایا اور وہ رجب ۱۶ھ میں بیت المقدس روانہ ہوئے جہاں معاہدہ تحریر پایا ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس میں ضحرہ اور براق باندھنے کی جگہ کے قریب جہاں اپنے ہمراہیوں سمیت نماز ادا کی تھی ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا ۔ یہی مسجد بعد میں مسجد اقصیٰ کہلائی ۔ اموی خلافت کے دور میں بیت المقدس کو خاص اہمیت حاصل ہوئی ۔ عبد الملک کے عہد میں اس شہر کی عظمت و وقار میں مزید اضافہ ہوا ۔ اس کے جانشین ولید نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی تکمیل اور تزئین کی ۔ (ملاحظہ ہو اردو دائرہ معارف اسلامیہ ، لاہور)

مسجد اقصیٰ کی مرمت و تجدید کے لئے چندہ جمع کرنے کی غرض سے فلسطین سے جو وفد ہندوستان بھیجا گیا تھا وہ حیدر آباد بھی آیا تھا ۔ یہ وفد اپنے ساتھ نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کے نام ہندوستان کے وائسرے اور گورنر جنرل لارڈ ریڈنگ کا ایک تعارفی خط اور حکیم

اجمل خان اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کا تعارفی معروضہ ساتھ لایا تھا۔ اس وفد کے صدر محمد مراد سپریم مسلم کونسل فلسطین کے رکن کے علاوہ مفتی حیفہ بھی تھے انہوں نے اپنے مکتوب مورخہ ۸ ڈسمبر ۱۹۲۳ء کے ذریعے مذکورہ بالا خط اور معروضے کے علاوہ وفد کی اپیل سرامین جنگ بہادر، صدر المہام پیشی کو روانہ کی تاکہ ان سب معروضات کو آصف سابع کی خدمت میں پیش کیا جاسکے۔ لارڈ ریڈنگ نے آصف سابع کے نام اپنے مکتوب ۹ نومبر ۱۹۲۳ء میں وفد کے ارکان کا تعارف کراتے ہوئے ان کے دورے کا مقصد و اغراض بیان کئے تھے۔ حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے اپنے معروضے مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۲۳ء میں لکھا تھا کہ مرمت کی غرض سے جتنی رقم درکار ہے آصف سابع تنہا جملہ رقم مرحمت فرماسکتے ہیں اور ان کی روایتی فیاضی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات کی قوی امید ہے کہ وفد کی اپیل پر نہایت ہمدردی کے ساتھ غور کیا جائے گا۔ فلسطینی وفد نے اپنی اپیل میں لکھا تھا کہ مشہور عالم مسجد اقصیٰ کے علاوہ بیت المقدس میں دو اور مساجد عبدالملک بن مروان نے ۷۵ھ میں تعمیر کروائی تھیں۔ یہ مساجد تیرہ سو سال گزر جانے کے باوجود بھی اپنی ناقابل بیان خوبصورتی کے ساتھ محفوظ ہیں۔ اس طویل عرصے میں پانچ مسلم خلفاء عبدالملک بن مروان، المامون، سلطان صلاح الدین، سلطان سلیم اور سلطان سلیمان نے ان مساجد کی ترمیم و مرمت کروائی۔ پہلی جنگ عظیم سے دو سال قبل خلیفہ محمد پنجم نے ان مساجد کی مرمت کروانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا کیونکہ انہیں اطلاع دی گئی تھی کہ اگر ان مسجدوں کی فوری مرمت نہ کروائی جائے تو ان کے انہدام کا خطرہ ہے۔ جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے یہ اسکیم ملتوی ہوگئی۔ ۱۹۲۲ء کے آغاز پر فلسطین کے مسلمانوں کے مقامات کی نگہداشت اور مذہبی امور کی یکسوئی کا اختیار فلسطینی مسلمانوں کی منتخب کردہ جماعت سپریم مسلم کونسل کو دیا گیا۔ اس کونسل نے قائم ہوتے ہی ان مساجد کی مرمت کروانے پر توجہ دینی شروع کی۔ اس کونسل نے خلافت کی وزارت وقف سے درخواست کی کہ ایک قابل آرکیٹکٹ کو روانہ کیا جائے تاکہ وہ ان مسجدوں کی موجودہ حالت کے بارے میں رپورٹ پیش کرے۔ اس درخواست پر نامور مسلم آرکیٹکٹ کمال الدین بے چار مددگاروں کے ساتھ بیت المقدس بھیجے گئے جنہوں نے تفصیلی معائنہ کے بعد جلد از جلد مرمت کا مشورہ دیا۔ انہوں نے مرمت کا تخمینہ ایک لاکھ پچاس ہزار مصری پاونڈ بتائے۔ اپیل کے آخر میں لکھا گیا تھا کہ فلسطین کے مسلمانوں نے اس سلسلے میں اپنا حصہ ادا کرنے کے

بعد اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی غرض سے مسلم دنیا کے نام مالی امداد کی اپیل جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔اس وفد کے دورہ ہندوستان کا مقصد یہی ہے ۔ان کاغذات (لارڈ ریڈنگ کا خط، حکیم اجمل خان و ڈاکٹر مختار احمد انصاری کا معروضہ اور وفد کی اپیل) کے ملاحظے کے بعد آصف سابع نے فرمان مورخہ ۹ ڈسمبر ۱۹۲۳ء کے ذریعہ دریافت کیا" ہماری طرف سے جو چندہ دیا جانا مناسب ہے اس کی مقدار کیا ہوگی ۔کل کونسل (کابینہ) میں طے کر کے جلد مجھے اطلاع دی جائے ۔میرے خیال میں چندہ ایک لاکھ روپے کلدار سے کم نہ ہونا چاہیے مگر اس کا اطمینان بھی ضروری ہے کہ جس کام کے واسطے رقم دی جائے گی وہ اسی کام میں جائز طور سے صرف ہوگی ۔" اس فرمان کی تعمیل میں دوسرے روز باب حکومت کے اجلاس میں اس کارروائی پر غور کیا گیا اور یہ تجویز ہوئی کہ اس نیک کام کے لئے ایک لاکھ روپے کلدار چندہ دینے کا آصف سابع نے جو خیال ظاہر کیا ہے اس سے جملہ اراکین باب حکومت اتفاق کرتے ہیں اور اس امر کا اطمینان کرنے کی نسبت کہ یہ رقم اسی کام میں جائز طور پر صرف ہوگی یا نہیں، رزیڈنسی سے دریافت کرنے کے بعد کیفیت پیش کی جائے گی ۔باب حکومت کی قرارداد پیش ہونے پر اسی روز آصف سابع کا یہ فرمان صادر ہوا ۔" باب حکومت کی رائے درست ہے کہ اس نیک کام کے لئے ایک لاکھ روپے کلدار کا چندہ دیا جائے مگر مناسب ہوگا کہ پہلے اس کی اطلاع خود ڈیپیوٹیشن کو دی جائے اور ان سے یا ممکن ہو تو رزیڈنسی سے پہلے استفسار کر لیا جائے کہ جس کام کے واسطے یہ رقم دینے کا مقصد ہے اسے اس کام پر جائز طور پر صرف کرنے کا کیا طریقہ ہوگا ۔اس کی اطلاع دی جائے تو رقم کے ایصال کا انتظام کیا جائے گا ۔" فرمان میں دی گئی ہدایت کے مطابق فلسطین کے وفد سے دریافت کیا گیا کہ جس کام کے لئے ایک لاکھ روپے کلدار چندہ دینے کی تجویز ہے اس کام کی انجام دہی اور رقم کے جائز طور پر صرف کرنے کا کیا طریقہ ہوگا ۔نظامت جنگ بہادر، صدر المہام سیاسیات نے اس سلسلے میں وفد کے اراکین سے بالمشافہ گفتگو کی ۔وفد کے اراکین نے بیان کیا کہ اگر چندے کی یہ رقم فلسطین کے برٹش ہائی کمشنر کے ذریعہ بھیجی جائے تو انہیں اس میں کوئی عذر نہ ہوگا ۔باب حکومت کی رائے میں بھی یہی طریقہ مناسب تھا کہ چندہ کی یہ رقم رزیڈنسی کے توسط سے فلسطین کے ہائی کمشنر کے پاس ارسال کی جائے تا کہ اس بات کا اطمینان ہو سکے کہ وہ رقم مسجد اقصیٰ کی مرمت وغیرہ پر جائز طور پر صرف کی جائے گی ۔آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۲ جنوری ۱۹۲۴ء باب حکومت کی

ریاست حیدرآباد میں عاملہ سے عدلیہ کی علاحدگی

ریاست حیدرآباد جس کی اپنی ایک اہم تاریخ ہے اور باتوں کے علاوہ سارے برصغیر ہندوستان میں کئی مثالی اور لائقِ تقلید اقدامات اور اصلاحات کے لئے بڑی شہرت رکھتی ہے۔ ان اقدامات میں جہاں اقتدار کو غیر مرکوز کرنے کے لئے مجلس بلدیہ حیدرآباد کی تشکیل اور آر ٹی۔سی کی خدمات کو سرکاری شعبہ میں رکھنا شامل ہے عاملہ سے عدلیہ کو الگ کر کے غیر معمولی جمہوری طریقہ کار کو رواج دینا اپنی طرز کا بہترین اقدام تھا۔ مرزا یار جنگ نے جو اس وقت چیف جسٹس ہائی کورٹ تھے اس بارے میں لکھا تھا کہ یہ وہ اقدام تھا جس کے مقابل سابق کے تمام عدالتی اصلاحات غیر اہم ہو کر رہ گئی تھیں اور برصغیر ہندوستان کے ۳۲ کروڑ عوام ربع صدی سے اس کے آرزومند اور بے چینی سے منتظر تھے۔ یہ تاریخ ساز اقدام ممکن ہی نہ ہوتا اگر حکمرانِ ریاست نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کی مرضی شامل حال نہ ہوتی کیونکہ ان کا ذہن اگر اس جانب مائل نہ ہوتا تو اس سلسلے میں کارروائی شروع ہی نہ ہوتی اور اگر ہوتی بھی تو ابتدائی مرحلے پر ہی اسے "داخل دفتر" (ختم) کر دیا جاتا۔

عاملہ سے عدلیہ کو علاحدہ کرنے کی اسکیم کے نفاذ سے قبل ریاست حیدرآباد میں انصاف کے حصول میں بڑی دشواریاں حائل تھیں۔ اس اسکیم کے سلسلے میں ریاست حیدرآباد میں ایک تحریک چلی اور اس بارے میں آصف سابع کا فرمان صادر ہونے کے بعد سرکاری سطح پر کارروائی پایہ تکمیل کو پہنچی۔ چند سال بعد حکومت کی جانب سے مقرر کردہ ایک کمیشن نے اس اسکیم کی افادیت اور کامیابی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ اس تفصیل کا اجمال اس مختصر مضمون میں پیش کیا جاتا ہے جو آرکائیوز اور دیگر مستند ماخذات کی بنیاد پر مبنی ہے۔

ریاست حیدرآباد میں محکمہ جات کوتوالی، ٹپہ (ڈاک)، کروڑ گیری اور مال کو بھی عدالتی اختیارات حاصل تھے اس کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ عدالتی اختیارات کے بغیر ان محکمہ جات کو اپنے احکام کی تعمیل کروانے میں دقت پیش آتی تھی۔ محکمہ مال جس کے فرائض

میں مالگزاری اور جمع بندی شامل تھی ان اختیارات کا زیادہ ضرورت مند تھا۔ اس لیے سابق میں محکمہ مال کے عہدیدار دیوانی و فوجداری دونوں قسم کے اختیارات استعمال کرتے تھے لیکن ۱۸۷۸ء کے بعد بڑی حد تک عہدیداران مال کا دیوانی کے کام سے تعلق باقی نہ رہا البتہ وہ فوجداری اختیارات استعمال کرتے رہے۔ صوبہ دار کو شش جج کے اختیارات حاصل تھے۔ اول تعلقدار ناظم فوجداری ضلع ہوا کرتا تھا۔ تمام دوم وسوم تعلقداروں اور تحصیلداروں کو فوجداری اختیارات حاصل تھے اس طرح دو مختلف محکمہ جات کے فرائض عہدیداران مال کے تفویض تھے جس کی وجہ سے انہیں محکمہ مال کے فرائض کی انجام دہی کے بعد اتنا وقت میسر نہیں ہوتا تھا کہ وہ اہم عدالتی فرائض کی انجام دہی پر توجہ دے سکیں۔ عہدیدارانِ مال حصول مالگزاری اور جمع بندی کے سلسلے میں دورے کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے مقدموں کی پیشیاں دور دراز مقامات پر رکھی جاتی تھیں۔ مقدمات کے فریقوں اور گواہوں کو اپنی ساری مصروفیات چھوڑ کر مارے مارے پھرنا پڑتا تھا۔ مقدموں کی پیشیاں بار بار تبدیل کی جاتی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے مقدموں میں ایک سو روپے کے دعویٰ کے لئے دو سو روپے خرچ ہوجاتے تھے اور مقدموں کے فیصلوں کی تاخیر کی وجہ سے زیر دریافت ملزمین کو برسوں حوالات میں رہنا پڑتا تھا۔ ان ہی مشکلات اور خرابیوں کی وجہ سے داد خواہ انصاف حاصل کرنے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے سے خوف کھاتے تھے۔

عدالتی نظم و نسق کی ان ہی خرابیوں کے پیش نظر اس میں بہتری اور اصلاح کے لئے ریاست حیدرآباد میں عاملہ سے عدلیہ کو علاحدہ کرنے کے لئے ایک عرصہ تک سنجیدہ کوششیں جاری رہیں۔ جن شخصیتوں نے عاملہ سے عدلیہ کو علاحدہ کرنے کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے میں راست یا بالراست طور پر حصہ ادا کیا وہ مغربی خیالات و نظریات سے متاثر تھے۔ مولوی مشتاق حسین وقار الملک جو ریاست حیدرآباد میں ۱۸۷۷ء اور ۱۸۹۲ء کے دوران محکمہ جات عدالت اور مال میں اہم اور کلیدی عہدوں پر فائز تھے اس اسکیم کے بنیادی اور اہم معمار تھے۔ انہوں نے عاملہ سے عدلیہ کو علاحدہ کرنے کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیتے ہوئے حکومت کو اس پر عمل درآمد کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ عدالتی نظم و نسق پر ان کی ۱۸۸۷ء کی رپورٹ نے اس اسکیم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں رہنمائی کی۔ نواب سر نظامت جنگ، چیف جسٹس ہائی کورٹ اور سر اکبر حیدری، معتمد عدالت نے جو وقار الملک کے نقطہ نظر کے حامی تھے اس

اسکیم کی افادیت کو حکومت پر واضح کیا اور سر نظامت جنگ نے جوڈیشل رپورٹ ۱۳۲۲ف م ۱۳-۱۹۱۲ء میں صاف طور پر لکھ دیا کہ جب تک کہ عہدیداران مال سے عدالتی اختیارات نہ لے لے جائیں اور نئے مصنف مقرر نہ کئے جائیں عدالتی کام میں اصلاح ممکن نہیں ہے۔اس سلسلے میں بالآخر مرزا یار جنگ، چیف جسٹس ہائی کورٹ کی کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔وہ ۱۹۱۸ء میں ریاست حیدرآباد کے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مقرر ہوئے اور انہوں نے اپنی پہلی جوڈیشل رپورٹ میں حکومت کی توجہ اس اسکیم کی جانب مبذول کروائی۔اس بارے میں آگے بھی ان کی کوششیں جاری رہیں۔حُسنِ اتفاق سے اس وقت سر علی امام ریاست حیدرآباد کے صدر اعظم تھے جو سارے برصغیر میں دستور اور قانون کے ماہرین میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔انہوں نے بھی اس ریاست میں اس اسکیم کے نفاذ میں اپنا اہم رول ادا کیا۔ یہ صحیح ہے کہ ان چند شخصیتوں نے ریاست حیدرآباد میں عاملہ سے عدلیہ کو علاحدہ کروانے کے لئے خصوصی دلچسپی لی لیکن اس سلسلے میں اصل اعزاز ریاست کے حکمران کو حاصل ہے جس نے اس بارے میں قطعی طور پر فیصلہ کیا۔۲۹ شعبان ۱۳۳۹ھ م ۸ مئی ۱۹۲۱ء کو آصف سابع نے حسب ذیل فرمان کے ذریعے عاملہ سے عدالتی اختیارات کو علاحدہ کرنے کے بارے میں احکام صادر کئے۔

> "کچھ عرصہ سے میری توجہ اس مسئلہ کی طرف مبذول ہوئی ہے کہ نظم و نسق ممالک محروسہ میں عدالتی اختیارات کو انتظامی عہدوں سے علحدہ کر لیا جائے۔اس مسئلہ پر کامل غور کرنے کے بعد اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ انتظام میں یہ اصلاح کر دی جائے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اس سے کام بھی عمدگی سے چل سکے گا اور یہ طریقہ میری عزیز رعایا کے لیے زیادہ تر موجب آسائش و اطمینان ہوگا۔میں چاہتا ہوں کہ فرائض مذکور الصدر کی علحدگی کے لئے جو تجویزیں عمل میں آئے اس میں یہ امر ملحوظ رہے کہ عہدہ داران صیغہ انتظامی ان تمام فرائض سے سبکدوش کئے جائیں جو کلیتاً عدالتی تصور کئے جاتے ہیں بجز ان خاص فرائض کے جو بروئے قوانین مالگزاری ان سے متعلق ہوں یا جو قوانین تعزیری کے ضمن میں بغرض تحفظ امن عامہ

خاص اور اہم انسدادی صورتوں کے لئے ان کے سپرد کئے گئے ہوں۔
صدر اعظم باب حکومت مجاز کئے جاتے ہیں کہ حسب ہدایت صدر علحدگی کا انتظام بلاتاخیر عمل میں لائیں اور ذیلی امور کے متعلق مناسب احکام صادر کریں۔ اگر اس انتظام میں نفاذِ قانون کی ضرورت محسوس ہو تو وہ خود اس امر کا تصفیہ کرسکتے ہیں کہ کس حد تک ایسی ضرورت ہے۔ عوام کی اطلاع کی غرض سے میرا یہ حکم جریدۂ غیر معمولی میں شائع کردیا جائے۔"

آصف سابع کے احکام کی تعمیل میں ایک اسکیم تیار کی گئی جس کا یکم خورداد ۱۳۳۱ف م ۵ اپریل ۱۹۲۲ سے نفاذ عمل میں آیا۔ اس اسکیم کے تحت جملہ عہدیداران مال سے فوجداری اور دیوانی اختیارات لے گئے اور ان ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے آٹھ (۸) زائد ناظم (ڈسٹرکٹ جج) اور ۵۲ نئے منصف مقرر کئے گئے۔ اس طرح اب محکمہ عدالت ایک مکمل محکمہ بن گیا جو بہتر طور پر اپنے فرائض انجام دے سکتا تھا۔ اس اسکیم کے نفاذ کے موقع پر اس کی کامیابی کے بارے میں خدشات ظاہر کئے جارہے تھے اور یہ خیال کیا جارہا تھا کہ یہ اسکیم بہتر طور پر کام نہیں کرسکے گی لیکن جلد ہی یہ ثابت ہوگیا کہ یہ تمام خدشات بے بنیاد تھے۔ اس اسکیم کے نافذ ہونے کے فوراً بعد مرزا یار جنگ چیف جسٹس اور جج صاحبان عدالت العالیہ نے ریاست کے علاقوں کا دورہ کیا اور عدالت کے عہدیداروں سے اس نئی اسکیم اور حالات کے بارے میں بات چیت کی۔ چیف جسٹس نے ان دوروں کے بعد لکھا کہ محکمہ مال کے اعلیٰ عہدیداروں کے تعاون اور عہدہ داران عدالت کی معاملہ فہمی کی وجہ سے وہ یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اسکیم ان کی توقعات سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئی۔

اس اسکیم کے نافذ ہونے کی وجہ سے عدالتوں کی کارکردگی میں قابل لحاظ اضافہ ہوا۔ عدالتوں میں مقدمات کثرت سے دائر ہونے لگے اور مقدمات کے فیصلے سابق کے مقابلے میں تیزی سے صادر کئے جانے لگے۔ اس وجہ سے عوام کی مشکلات دور ہوئیں اور ان کی نظر میں عدالت کا مقام اور بلند ہوا۔ چند سال گزرنے کے بعد ریاست حیدرآباد کی حکومت یہ جاننا چاہتی تھی کہ آیا یہ اسکیم عوام کے لئے سودمند ثابت ہوئی ہے کہ نہیں۔ چنانچہ اس اسکیم کے نافذ ہونے کے آٹھ سال بعد اس سلسلے میں مکمل تحقیقات کے لئے حکومت کی جانب سے ایک

کمیشن کا انعقاد عمل میں آیا۔ ٹاسکر، ڈائرکٹر جنرل ریونیو، اس کمیشن کے ایک رکن تھے جنہوں نے سابق میں اس اسکیم کی سختی سے مخالفت کی تھی۔ تحقیقاتی کمیشن نے بالاتفاق اس اسکیم کی حمایت کی اور حکومت میں ایک رپورٹ پیش کی گئی جس میں کہا گیا کہ موجودہ اسکیم کو منسوخ کر کے سابق طریقہ کار کو اختیار کرنے کی کوئی وجوہ نہیں ہیں۔ کمیشن کی رپورٹ پر مرزا یار جنگ، چیف جسٹس ہائی کورٹ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح اس اسکیم پر حکومت کی قطعی منظوری کی مہر ثبت کر دی گئی ہے۔

ماخذ

۱) نواب میر عثمان علی خان آصف سابع کا فرمان مورخہ ۲۹ شعبان ۱۳۳۹ھ م ۸ مئی ۱۹۲۱ء

اس مضمون کی تیاری میں آرکائیوز کی مذکورہ بالا مسل کے علاوہ کتاب " تاریخ عدالت آصفی " از میر باسط علی، حیدرآباد، ۱۹۳۷ء سے بھی استفادہ کیا گیا۔

کنگ کوٹھی

فرمان

کچھہ عرصہ سے میری توجہ اس مسئلہ کی طرف مبذول ہوئی ہے کہ نظم و نسق ممالک محروسہ میں عدالتی اختیارات کو انتظامی عہدون سے علحدہ کرلیا جائے۔

اس مسئلہ پر کامل غور کرنے کے بعد اب مین نے یہہ فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ انتظام مین یہہ اصلاح کردی جائے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اس سے کام بھی عمدگی سے چلے گا اور یہہ طریقہ میری رعایا کے لئے زیادہ تر موجب آسایش و اطمینان ہوگا۔

مین چاہتا ہون کہ فرایض مذکورۃ الصدر کی علحدگی کے لئے جو تجویز عمل مین آئے اوس مین یہہ امر ملحوظ رہے کہ عہدہ داران متعلقہ انتظامی اون تمام فرایض سے سبکدوش کئے جائین جو کلیتہً عدالتی تصور کئے جاتے ہین بجز اون خاص فرایض کے جو بروئے قوانین مالگزاری اون سے متعلق ہون۔ یا جو قوانین [illegible] کے ضمن مین بغرض تحفظ امن عامہ خاص اور اہم انفرادی صورتون کے لئے اون کے سپرد کئے [illegible]

صدر اعظم باب حکومت مجاز کئے جاتے ہین کہ حسب ہدایت صدر علحدگی کا انتظام بلا تاخیر عمل [illegible] اور ذیلی امور کے متعلق مناسب احکام صادر کرین۔

اگر اس انتظام مین نفاذ قانون کی ضرورت محسوس ہو تو وہ خود اس امر کا تصفیہ کرسکتے ہین کہ [illegible]

عوام کی اطلاع کی غرض سے میرا یہہ حکم جریدہ غیر معمولی مین شایع کردیا جائے۔

۲۹ شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ یکشنبہ (نقل دستخط مبارک اعلیٰحضرت بندگانعالی مد ظلہ العالی)

نقل دستخط (امین جنگ بہادر)
صدر المہام پیشی خداوندی

مہدی یار جنگ
معتمد سیاسیات

مطبوعہ دار الطبع سرکار عالی

بیگار کی لعنت اور ریاست حیدرآباد

بیگار ایک ایسی سماجی لعنت ہے جس میں بدترین طریقے پر معاشی استحصال کیا جاتا ہے۔ یہ لعنت ہر اس نظام کی پیداوار ہوتی ہے جس میں انسانوں پر جبر اور زیادتی روا رکھ کر انسانی محنت کا استحصال اس طرح کیا جاتا ہے کہ محنت کرنے والوں کو نہ صرف یہ کہ جبر کے تحت کام کرنا پڑتا ہے بلکہ انہیں اپنی محنت کا معاوضہ نہیں ملتا اور کچھ ملتا ہے تو برائے نام یا ناقابل لحاظ ہوا کرتا ہے۔ قابل لحاظ معاوضہ ادا کر کے بھی انسانوں کو ڈرا دھمکا کر اور ہراساں کر کے محنت اور خدمت کے لئے مجبور کیا جائے تو اسے بھی بیگار یا جبری محنت کہا جائے گا۔ بیگار یا جبری محنت اپنی بدترین شکلوں میں زمین دارانہ نظام اور جاگیردارانہ نظام میں بہت عام ہوا کرتی ہے۔ ہمارے ملک میں حصول آزادی کے بعد زمین داری اور جاگیرداری کی باقیات طویل عرصہ تک موجود رہیں۔ سماجی بیداری اور اس سے بڑھ کر سیاسی بیداری کے نتیجے میں رفتہ رفتہ بیگار کی یہ لعنت کم ہوتی گئی لیکن اب تک بھی اس کا مکمل طور پر صفایا نہیں ہوسکا ہے۔ دور افتادہ علاقوں اور انتہائی پسماندہ و قبائلی علاقوں میں بیگاری کی وارداتوں کے تعلق سے آج بھی کچھ نہ کچھ سننے میں آتا ہے۔ دوسرے علاقوں میں کبھی کبھی چونکا دینے والے انداز میں جبری محنت کے تعلق سے علم ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے جبری محنت کا تدارک اور خاتمہ بنیادی انسانی حقوق سے تعلق رکھنے والا ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس لعنت کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو جانوروں سے بھی ابتر حالت میں محسوس کرتا ہے۔ مختلف سماجی لعنتوں اور معاشی استحصال کی افسوس ناک صورتوں کو ختم کرنے کے لئے عوام کو جدوجہد کے طویل، سخت اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا لیکن یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ ریاست حیدرآباد میں اس کے حکمران نواب میر عثمان علی خان آصف سابع نے از خود احکام جاری کرتے ہوئے بیگار کی لعنت ختم کرنے کا اعلان کیا تھا اور اسے مستوجب سزا قرار دیا تھا۔ فرمان روائے حیدرآباد نے یہ اقدام کسی نمائندگی یا محضر کی پیش کشی کی بنیاد پر یا سفارشات اور تجاویز کا جائزہ لینے کے بعد نہیں کیا تھا بلکہ اپنے طور پر اسے انسانی فریضہ اور اخلاقی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس بارے

میں فرمان صادر کیا تھا۔

ریاست میں بیگار کی موقوفی کے سلسلے میں آصف سابع کے فرمان مورخہ یکم شعبان ۱۳۴۱ھ م ۲۰ مارچ ۱۹۲۲ء میں یہ احکام صادر کیئے گئے تھے "ممالک محروسہ میں بیگار کا جو طریقہ اب تک جاری تھا اس کو میں اپنی سالگرہ کی تقریب میں ایک لخت موقوف کرتا ہوں کیوں کہ اس سے رعایا کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور آئندہ سے حکم دیتا ہوں کہ ہر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ مستوجب سزا ہوگا۔" اس فرمان میں بیگار کے تعلق سے واضح ہدایتیں موجود نہیں تھیں اس لئے اس بارے میں تفصیلی ہدایات حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ایک کارروائی کے ضمن میں سر امین جنگ صدر المہام پیشی کو لکھا گیا کہ وہ آصف سابع سے اس بارے میں تفصیلی ہدایات حاصل کر کے روانہ کریں۔ چنانچہ آصف سابع نے اس سلسلے میں فرمان مورخہ ۹ رمضان ۱۳۴۱ء م ۲۶ اپریل ۱۹۲۲ء جاری کیا۔ "میرے فرمان مورخہ یکم شعبان ۱۳۴۱ھ کے عام الفاظ (بیگار کا جو طریقہ اب تک جاری تھا یک لخت موقوف) کی تعبیر کی نسبت پایا جاتا ہے کہ غلط فہمی ہورہی ہے اور ہر عہدیدار اپنی رائے کے مطابق ہدایات اپنے ماتحتوں کے نام جاری کر رہے ہیں۔ اس کے انسداد کے لئے نیز تمام ممالک محروسہ میں یکساں عمل ہونے کے لئے بیگار کے طریقے کی موقوفی کے عام قواعد جاری کرنا ضروری ہے۔ لہذا فوراً تمام اعلیٰ عہدیداران دورہ کنندہ کی ایک کمیٹی کر کے تفصیلی قواعد مرتب کر کے باب حکومت کی رائے کے ساتھ میری منظوری کے لئے پیش کئے جائیں۔ جب تک کسی قسم کے قواعد جاری نہ ہوں"

اس حکم کی تعمیل میں اعلیٰ عہدیداران دورہ کنندہ کی ایک کمیٹی فتح نواز ونت بہادر، سابق صدر المہام مال کی صدارت میں تشکیل دی گئی۔ معبود نواز جنگ، اول تعلقدار ضلع میدک سے قواعد سربراہی عہدیداران دورہ کنندہ کا ایک مسودہ مرتب کرایا گیا۔ ابتداء میں یہ مسودہ اضلاع کے تمام تعلقداروں کی کمیٹی میں پیش کیا گیا۔ اس کمیٹی نے اس مسودے پر غور و خوض کے بعد اسے منظوری دی۔ بعد ازاں اسے اعلیٰ عہدیداروں کی جنرل کمیٹی میں پیش کیا گیا۔ اس کے بعد اس مسودے کو مشیر قانونی کے حوالے کیا گیا تاکہ وہ اس کے متعلق قانونی نقطہ نظر سے رائے دیں۔ مشیر قانونی کی رائے کے بعد اس مسودہ کو دوبارہ اعلیٰ عہدیداران دورہ کنندہ کی جنرل کمیٹی میں پیش کیا گیا اور اس کمیٹی نے اپنے متعدد اجلاسوں میں اس پر غور کر کے ضروری ترمیمات کے بعد اسے منظور کیا۔ جب یہ مسودہ باب حکومت

(کابینہ) کے اجلاس منعقدہ ۱۷ نومبر ۱۹۲۴ء میں پیش ہوا تو باتفاق آراء فیصلہ ہوا کہ اس مسئلے سے متعلق برٹش انڈیا کے تمام قواعد طلب کئے جائیں اور صدر المہام مال ان قواعد سے اس مسودہ کا تقابلی مطالعہ کر کے رائے پیش کریں ۔اس سلسلے میں جب مشیر قانونی کی رائے طلب کی گئی تو رائے بھیجنا تھ ، مشیر قانونی نے جواب دیا کہ جو مسودہ مرتب کیا گیا ہے اس کی ترتیب کے وقت اس امر کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ تلاوت جنگ بہادر ، صدر المہام مال نے اس مسودہ کے بارے میں صدر نظماء مال کی رائے بھی طلب کی ۔یہ تمام مراحل تکمیل پانے کے بعد جب یہ کارروائی باب حکومت کے اجلاس میں پیش ہوئی تو بالاتفاق رائے یہ طے پایا کہ اب اس مسودہ میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں ہے ۔آصف سابع نے باب حکومت کی رائے اور سفارش پر فرمان مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۶ء کے ذریعہ قواعد مذکور کے نفاذ کی منظوری دی۔

منظورہ قواعد میں ان امور کی صراحت کی گئی تھی کہ بلوتہ انعام پانے والے اشخاص (بلوتہ انعام وہ اراضی کا انعام ہے جو حکومت نے ان لوگوں کو موضع میں رہ کر ضرورت ہائے موضع کی انجام دہی کے لئے عطا کیا ہو) اور وہ اشخاص جو اقوام مزدور پیشہ سے ہوں اور فی الواقع مزدوری کا کام انجام دیتے ہوں عہدیداران دورہ کنندہ کی باربرداری کے کام کے لئے بادائی اجرت مقررہ حاصل کئے جاسکیں گے ۔اگر کسی مقام پر کوئی ایسا شخص کام کرنے پر رضا مند نہ ہو تو وہ سرکاری ضرورت کے لحاظ سے کام کرنے پر بہ ادائی اجرت مقررہ مجبور کیا جاسکے گا مگر شرط یہ ہے کہ کوئی عورت اپنی مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کی جائے گی ۔اجرت معاہدے کے مطابق ہوگی لیکن اگر کوئی شخص سرکاری ضرورت کے لحاظ سے کام کرنے کے لئے مامور کیا جائے تو اس کو اجرت پیشگی دی جائے گی۔ کسی مزدور کو حسب ذیل شرح سے زیادہ بوجھ نہ دیا جائے گا۔

مرد سے بارہ سیر
عورت سے آٹھ سیر
بچہ جس کی عمر چودہ سال سے کم ہو چھ سیر
بچہ جس کی عمر دس سال سے کم ہو اسے کبھی بیگار پر نہ لیا جانا چاہیے۔

جب کسی عہدیدار دورہ کنندہ یا اس کے ہمراہی اشخاص کے متعلق یہ شکایت ہو کہ اس نے قواعد ہذا کی خلاف ورزی کی ہے تو اس کی تحقیقات تحصیلدار یا ڈویژن افسر کے روبرو

ہوگی۔ ثبوت ہو تو بغرض تدارک حسب ضابطہ افسر متعلقہ کو تحریک کی جائے گی۔ جب
شخص کو یہ شکایت ہو کہ اجرت مقررہ ادا نہیں کی گئی ہے یا قواعد ہذا کے احکام کے خلاف
کرنے پر مجبور کیا گیا ہے تو ایسی شکایت تحصیلدار یا ڈویژن افسر یا تعلقدار ضلع کے روبرو ایک
مہینے کے اندر پیش ہو سکے گی۔ یہ قواعد ۲۷/ فبروری ۱۹۲۷ء سے ساری ریاست میں نافذ ہو۔
اور ان قواعد کی تاریخ نفاذ سے بیگار سے متعلق دیگر جملہ احکام منسوخ قرار دئے گئے۔

ماخذ

Instalment No. 81, List No.2, S.No. 368

مقدمہ:- فتح میدان میں سالگرہ مبارک کے موقع پر پریڈ، ڈنر وغیرہ ہونے کی نسبت۔
مسدودی طریقہ بیگار

(قواعد سربراہی عہدیداران دورہ کنندہ کی منظوری بذریعہ فرمان مورخہ ۶ جمادی
الثانی ۱۳۴۵ھ م ۱۲ ڈسمبر ۱۹۲۶ء)